مکتوباتِ نیاز

(۳)

نیاز فتحپوری

مکتوباتِ نیاز

سنئے صاحب، جیتے جی موت کی باتیں مجھے پسند نہیں۔ مرنا برحق سہی لیکن جب تک آپ جی رہے ہیں اس " واویلا " سے فایدہ بھی کیا ہے آخرت کے خیال کو آپ " مابعد الموت " سے کیوں متعلق کرتے ہیں۔ آخرت سے مُراد انجام ہے۔ ہر اس کام کا انجام جو ہم آپ اس دنیا میں کرتے ہیں، ورنہ

مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست! — کے معنی کیا؟

خدا کے لئے اس خیال کو ترک کیجئے، آپ کی صحت پر خراب اثر پڑے گا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی مایوس کر کے بے کار بنا دیں گے۔ لاحول ولاقوۃ۔ آپ سے کس نے کہا کہ اسلام کی تعلیم ہر وقت موت کو یاد کرنا ہے۔ مسلمانوں نے تو موت کا مقابلہ کیا ہے، اس سے جنگ کی ہے، اور ایسی جنگ کہ ان میں بہت سے مرنے کے بعد زندہ ہیں اور آپ ہیں کہ زندگی ہی میں مرے جا رہے ہیں۔!

اگر بُرا نہ مانئے تو عرض کروں کہ نماز روزہ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی کوئی گناہ بھی کر لیا کیجئے۔ کیوں کہ زندگی کا احساس گناہ کے بعد بڑھ جاتا ہے۔ پہلے

چھوٹے چھوٹے اور جب کچھ جان بدن میں آجائے تو بڑے بڑے!

جوانی ختم ہونے کے بعد جوانی کا اعادہ ممکن ہے "کایا پلٹ بوٹی" سے بھی ہوجاتا ہو، لیکن آسکر وائلڈ کا نسخہ یہ ہے کہ "جوانی کے گناہ کرنے لگو جوانی خود لوٹ آئے گی"۔

اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو مطلع کیجئے تاکہ ہم آپ دونوں ایک ساتھ اس کا تجربہ شروع کریں۔ واقعی ذرا دیکھئے تو سہی ہوتا کیا ہے؟

بجا ہے۔ صرف ایک بار گلہ کیا تھا، اور وہ بھی "ناتمام" کہ آسمان زمین آپ نے ایک کر دئے، اور اب چاہتی ہیں کہ جو کچھ کہنا ہے دل کھول کر کہدوں معقول -!

طشتے وگرفتادہ ہانا ز بام تو

اگر یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ آخیر میں آپ مجھے مورد الزام قرار دیں۔ تو کاوش بے کار ہے، کیونکہ "آپ سے دور ہوں اور جی رہا ہوں" یہی ایک جرم اتنا بڑا ہے کہ آپ جس قدر ملامت کریں کم ہے۔ زیادہ چھان بین کی ضرورت کیا؟

میں نے تو صرف پوچھا تھا کہ "آشنا گاہے، گہے نا آشنا" یہ ادا آپ کی عام ہے یا صرف میرے لئے مخصوص! آپ نے اس کے جواب میں "فلسفۂ محبت" اور "نکاتِ عشق" پر ایک لکچر دے ڈالا۔ حالانکہ

۵

گر گفتۂ زعشق سگے حرف آشنا
آں ہم حکایتے ست کہ از ما شنیدہ

میں نے اس پر پوچھا کہ کیا "عورت زیادہ پڑھ لکھکر صرف بقراط ہی بن سکتی ہے؟" — اس کا جواب دراصل یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ ہنس دیتیں۔ اور یاد رکھیئے اسی خیال سے میں نے لکھا بھی تھا۔ لیکن خلافِ امید آپ اور سنجیدہ بن گئیں۔۔ اگر آپ برہم ہوتیں، تو بھی میں اس سے لطف اٹھا لیتا، لیکن اس "ادھڑے پن" کو کیا کروں، آپ ہی بتایئے۔؟

دیکھئے اس کے جواب میں آپ چاہے پورا قرآن لپیٹ کر بھیجدیں، لیکن خاموشی کی سند نہیں۔۔ ورنہ پھر میری "بت پرستی" کا مظلمہ سارا آپ کی گردن پر ہوگا!

حضرت! اب آپ کیا پوچھتے ہیں کہ وہاں کیا گزری، بس یوں سمجھئے کہ
ہم اٹھاتے ہی بچھاتے رہے بستر اپنا
معاذ اللہ "تلوّن" سا تلون! بیقراری سی بیقراری! بس یوں سمجھئے کہ ذوالفقار کی تعریف میں میر انیس کا یہ بند سامنے تھا۔

وہ جوڑ توڑ یاد تھے اس تیغِ تیز کو	سر سے گری جُدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلۂ ریز کو	برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بوئی نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی	یہ ہر یہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

مجھ میں تو اب دوبارہ وہاں جانے کی ہمت نہیں، ہاں اگر آپ ساتھ ہوئے تو خیر چلا چلوں گا!

ماشاء اللہ، کیا نظم لکھی ہے، کیا تیور ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کہ اس سے لطف اٹھانے کے لئے "وارتاف" کو کہاں ڈھونڈھوں۔ ڈاکٹر اشرف الحق حیدر آبادی نے بھی "اعادۂ شباب" کا آپریشن شاید اب ترک کر دیا ہے

آپ کیوں نہ "کوک شاستر" کو نظم کر ڈالیں، کیا اس سے بہتر ترقی پسندانہ لٹریچر کوئی اور ہو سکتا ہے؟

بندہ نواز، عریانی بری چیز نہیں بشرطیکہ وہ "نیم عریانی" سے آگے نہ بڑھے۔ بدن چرا کر چلے جانے میں، سینہ تان کر سامنے آجانے سے شاید زیادہ لطف ہے۔

کنایہ و استعارہ وغیرہ کو چھوڑیئے، شاعرانہ ڈھکوسلے سہی، لیکن انسان کے نفسیاتی رجحان کو آپ کیونکر بدل سکتے ہیں۔ آرٹ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے سامنے دیوار حائل کر دے، وہ اپنی جگہ بالکل بے کار چیز ہے اگر دوسروں کو اس تک پہونچنے کی رغبت نہ ہو، لباس تار تار ہو جانے کے بعد لباس نہیں رہتا، موسیقی نام سُر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا نہیں بلکہ مختلف سروں کو ہم آہنگ کر دینے کا ہے۔ آپ کی شاعری ایسی "جراحی" ہے جس کے زخم سے فاسد مادہ ہمیشہ رستا رہے گا۔ اور سوا عفونت پھیلانے کے اسکا کوئی نتیجہ نہیں

دنیا میں ہر چیز کی ایک تہذیب ہوتی ہے، اور شاعری کی بھی ایک تہذیب ہے۔ آپ نہ مانیں یہ اور بات ہے، لیکن جب تک ساری دنیا غیر مہذب نہ ہو جائے آپ کو رنج ناکامی اٹھانا ہی پڑے گا

عتاب نامہ ملا، لیکن مجبوری دیکھئے کہ اسے "عتاب" کہنے کی بھی تاب مجھ میں نہیں!

چہ تواں کرد مرا با تو سر سے افتادست

اگر مقصود صرف "معذرت" سے لطف اٹھانا ہے تو پہلے کوئی گناہ تو کر لینے دیجئے۔ "عذر بے گناہی" میں کیا رکھا ہے؟۔

باور کیجئے میں نے کبھی ان سے رسم و راہ بڑھانے کا اقدام نہیں کیا آپ کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر دل خون کرنے کی فرصت نصیب ہو تو کیا آپ سے بہتر کوئی دوسرا اور ہو سکتا ہے۔؟

منزل پر تھک کر بیٹھ چکا ہوں، نہ اٹھنے کی تاب، نہ چلنے کی ہمت، اور صرف اس اُمید پر جی رہا ہوں کہ

، روزے بہ شکار خواہی آمد!

لیکن آپ کو اس کی بھی فرصت نہیں – خیر جانے دیجئے، ابھی اتنا سہارا باقی ہے کہ

چہ غم کر دیم یارب گر بتو دستے نارسید نہسا!

آپ بھی عجیب چیز ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ "ساقی ہے دلربا" مے کی تندی و تلخی کی شکایت کرتے ہیں ــ میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو آنکھ بند کرکے اپنے آپ کو اس سیلابِ رنگ و بو کے سپرد کر دیتا۔

میرا ارادہ اخیر مارچ میں وہاں جانے کا ضرور تھا۔ لیکن اسی زمانہ میں میرے ایک کرم فرما یہاں آ رہے ہیں اور ایک کام سے آ رہے ہیں، اس لئے تفریح کا سفر ملتوی ــ وسائل نقل و حرکت باقی رہے تو شاید اپریل کے وسط میں پھر ارادہ کروں گا، مگر غالباً تفریح کی نیت سے نہیں! آپ کو کیا معلوم کہ میں نے دنیا کی وسعت کو کتنا تنگ کرلیا ہے! جس وقت مکان کے ایک گوشہ سے چلکر دوسرے گوشہ تک پہونچتا ہوں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کا سفر طے کرلیا۔ ! آپ اسے ضعف و کہولت کہیں گے، اور میں قناعت! مگر مولویوں اور صوفیوں والی قناعت نہیں، جس کے آگے قارون کی حرص و طمع بھی شرماتی ہے۔ بلکہ ساری دنیا کو ٹھکرا کر فاقہ کرنے والی قناعت!

آپ کو اپنے علایق کے لحاظ سے بے شک پریشان ہونا چاہیے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری لکھنؤ اور بنارس پر تو ہوتی نہیں رہا بدامنی کا اندیشہ، سو اسکے متعلق سوا اس کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ جب طوفان سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو طوفان ہی میں اپنے آپ کو ڈالدینا چاہیے۔

کیوں صاحب، یہ تحایف کی تقسیم خویش سے گزر کر درویش تک پہونچی ہی نہیں یا۔

چوں دورِ خسرو آمدے درسبو نماندہ

خوش رہیے، آپ کے یاد نہ کرنے میں بھی لطف ہے۔

ہاں حبانشی سے وہ تبدیل ہو گئے، اور ایسی جگہ پہونچے ہیں کہ خضر شاید چشمۂ حیوان تک تو پہونچ جاتے۔ لیکن یہاں تک وہ کبھی نہ پہونچ سکتے۔ دس میل فی گھنٹہ چلنے والی ریل سے ۴۸ گھنٹہ کا سفر کرکے ایک ایسے اسٹیشن پر اترئے، جہاں آپ کو صرف ایک متنفس نظر آئے گا۔ جو غریب قلی بھی ہے اور بابو بھی! اس کے بعد کہیں بیل گاڑی سے اور کہیں پیادہ پا ۸۰ میل کی وہ منزل طے کیجیے جس میں آپ کو کم از کم پانچ پہاڑ، دس دریا اور بیس صحرا عبور کرنا ہیں۔ پھر کہیں جا کر آپ، یا آپ کی لاش ان حضرت کے آستانہ تک پہونچ سکے گی۔

آپ جاتے ہوں تو جائے، لیکن مجھے بخشیئے۔ اتنی تکلیف اٹھا سکتا تو آج حاجی ہوتا۔

بجا ارشاد ہوا، لیکن مجھے آپ کے استدلال سے اختلاف ہے بے شک پردہ اور اس حد تک پردہ کہ

نقابِ عارضِ گل جوش می کند مارا

کوئی معقول بات نہیں، لیکن بے پردگی کے جو برکات آپ نے شمار کرائے ہیں، ان سے ضرور مجھے اختلاف ہے، ہو سکتا ہے کہ پایانِ کار بے پردگی "رواج معصومیت" میں معاون ہو، لیکن اس کا تعلق ہمارے آپ کے اخلاق کی بلندی سے نہ ہوگا۔ بلکہ صرف اس بات سے کہ دنیا کی ہر وہ چیز جو ہماری دسترس سے قریب ہے، دل سے دور ہے۔

صحت کا مسئلہ بے شک قابل غور ہے، لیکن اس وقت کی بے پردہ ہندوستانی عورت (مغرب کی عورت کا ذکر نہیں کہ وہ تو واقعی مرد بن گئی ہے) شاید ہی کوئی ایسی ہو جس کی صحت پر رشک کیا جائے۔ حوّا نے تو گیہوں کے لئے جنت چھوڑی تھی، لیکن حوّا کی یہ بیٹیاں اب نازک بننے کے لئے غذا ہی ترک کر بیٹھی ہیں، وہ نقاہت و نزاکت کو ایک ہی چیز سمجھتی ہیں۔ ہڈیوں کے ڈھانچہ پر منڈھی ہوئی کھال، سفید دھوئے کپڑے کا سا رنگ دھنسے ہوئے گالوں میں ڈگڈگاتی ہوئی آنکھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومیائی شدہ لاش میں مضمحل سی جان پڑ گئی ہے!

چھریرا جسم، کشیدہ قامتی، بیشک رعنائی میں داخل ہے، لیکن ہر ہر پہلو سے نکیلی ہڈیاں چبھو دینے والی عورت تو ایک مستقل خطرہ ہے رعنائی سے اسے کیا واسطہ!

یہ درست ہے کہ اس کی ظاہری زیبائش و آرائش، جس کو اس نے اسکولوں اور کالجوں میں فن کی حیثیت سے حاصل کیا ہے، اسکے

بہت سے نقائص کو چھپا دیتی ہے، لیکن معیاری حُسن تو وہی ہے جو لباس سے جدا ہونے کے بعد اور نمایاں ہو جائے، نہ کہ بالکل ختم!

"جنسیات" سے تعلق رکھنے والی باتوں کو چھوڑ کر آپ "تمدنی" حیثیت سے غور کریں تو حالت اور زیادہ افسوسناک نظر آئے گی۔ خانہ داری، تربیت اولاد، اقتصادی نگہداشت وغیرہ جن میں دستگاہ رکھنا عورت کا حقیقی حُسن ہے، سو آپ کو اس کا شاید زیادہ دردناک تجربہ ہوگا!

مصیبت یہ ہے کہ ہمارے مذہب کی طرح ہماری ساری معاشرت تقلیدی ہے، عورت کی بے پردگی کا کیا ذکر! ہماری معاشرت کے دوسرے مسائل کی طرح پردہ کے لئے بھی کوئی اصول موضوعہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، زمانہ و ضرورت کے لحاظ سے ہمیشہ اس میں تبدیلی پیدا کرنا ہوگی۔ تعلیم بے شک عورت کے لئے ضروری ہے، لیکن اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ بے پردہ ہو کر سوسائٹی کا تفریحی عنصر بنجائے

پردہ تو اس نسل سے میرے یہاں بھی ختم ہو گیا ہے۔ لیکن میں نے اپنی لڑکی کو اسکول نہیں بھیجا، گھر ہی میں پڑھکر اس نے فارسی میں دبیر ماہر کی سند حاصل کی، پھر ہائی اسکول کا امتحان بھی اسی طرح دیا، اور آئندہ سال ایف۔ اے میں شریک ہو رہی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ باتیں "ترقی پسندی" کی نہیں، لیکن انیسویں صدی کا انسان

بیسویں صدی کی مخلوق سے کچھ تو علیحدہ ہی ہونا چاہیے۔

محترمہ! میں اپنی بدنصیبی کا رونا کہاں تک روؤں، ایک وقت تھا

کہ می رفتی و طاقت می رسید از من

یا اب یہ حال ہے کہ آپ سے ملنے کا خیال کبھی کوئی مسرت نہیں پیدا کرتا۔ اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے! تاہم آپ کی دل پرسی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ آپ نے خوب فرمایا کہ میں دونوں جہاں سے آزاد ہوگیا ہوں، کاشکے ایسا ہی ہوتا۔ بہرحال خوش ہوں کہ گفتگو میں میری تمنا کی رعایت اب بھی آپ کو ملحوظ ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ جو بات آپ کہتی ہیں وہ کسی وقت پوری ہو جائے۔ ایک زمانہ تھا جب ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ:-

تسکیں بچہ بخشم دلِ ہنگامہ گزیں را

یا اب یہ حالت ہے کہ ہزار کروٹیں لینے کے بعد بھی دل میں کوئی غیر معمولی دھڑکن پیدا نہیں ہوتی، ہنگامہ کیسا! اس کا علاج اگر آپکے پاس کوئی ہو تو بتائے۔ خالی طنز سے کام نہیں چلتا۔

انکے حال سے بالکل بےخبر ہوں، عرصہ ہوا ایک خط علیگڈھ سے آیا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ایک دل اپنے کام کا آخرکار انہیں

حل ہی گیا۔ ان کا غیر معمولی سکوت، سکون کی علامت ہے، اس لئے میں بہت خوش ہوں، خدا کرے ان کی "ادبیت" انھیں ایک جگہ چین سے بیٹھنے کی مہلت دے۔

حضرت! آپ کے خط کا جواب دوں بھی تو بے کار ہے۔ کیونکہ جو خدا کو بے دلیل ماننے والا ہو، اس کے سامنے حجت و استدلال پیش کرنا، اب کیا کہوں کہ کیا ہے۔

میں کہوں گا "عقل تو ایسا نہیں کہتی" آپ فرمائیں گے "عقل کیا چیز ہے"۔ میں عرض کروں گا کہ "اسباب کی دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں" آپ کہیں گے کہ "مشیت ایزدی" میں کس کو مجالِ دم زدن ہے۔

پھر آپ ہی فرمائیے کہ اس "قدرت و مشیت" کا علاج میرے پاس کیا ہو سکتا ہے۔ آپ نمرود کو اس لئے برا کہتے ہیں کہ اس نے "خلیل اللہ" کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، میں کہتا ہوں کہ طرحِ گلستاں "آتشِ نمرود" ہی نے ڈالی۔

من آتش ادد خاں بنیم تو از آتش دخاں بینی

آپ کا خدا اور مذہب دونوں بہت نازک ہیں، اس لئے مجھے خاموش ہی رہنے دیجئے تو بہتر ہے۔

کرمی! گرامیِ نامہ ملا۔ ہاں، میں اس کو خوب جانتا ہوں،

نامردانہ زیست کرتا تھا

لیکن شاید اس قدر عتاب و سرزنش کا سزاوار نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ مصائب کا زیادہ حصّہ خود انسان ہی کی غلطی کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، لیکن انسان اس قدر احمق کیوں ہے؟ اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

اگر ہماری سوسائٹی قدرت کی کوتاہیوں کی تلافی نہیں کر سکتی تو قدرت کے باغیوں کو بُرا بھلا کہنے کا حق بھی اسے حاصل نہیں ہے۔ سب سے آخری مرتبہ اب سے دو سال پہلے ہمیں لکھنؤ کی گلیوں میں، اُسے خاک بسر، گریباں چاک دیکھا تھا۔ پھر تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب آپ سے معلوم ہوا کہ وہ امرتسر میں ہے اور اس حال میں کہ بجائے رحم کے آپ کو غصّہ آ رہا ہے۔

اگر زحمت نہ ہو تو ـــــــ اسے ریل پر سوار کرا کے تار دیجئے مجھے اس سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے، اور اب آپ کے عتاب سے اور زیادہ ہو گئی ہے۔

حضرت! خط ملا، آپ کی ضد کا جواب صرف یہ تھا کہ وہیں آپ کے سامنے پہونچکر خودکشی کرتا۔ لیکن اس وقت تک آپ کی اور تمام

نامعقول باتوں کا معقول جواب کب دے سکا ہوں کہ اب کامیاب ہوتا۔

آپ جانتے ہیں مجھے وہاں جانے کے خیال سے روحی تکلیف ہوتی ہے، اور آپ کے نزدیک بار بار اصرار گویا مجاہدہ ہے، دینی فرض ہے جس کے پورا کرنے پر آپ خدا اور رسول کیطرف سے مجبور ہیں!

اگر یہ صرف چھیڑ ہے تو میرے لئے خطرہ سے خالی نہیں، اور اگر سنجیدگی ہے تو آپ کو بھی اپنے انجام سے ڈرنا چاہیئے۔ مانا کہ میرا مطالعہ ناقص ہے لیکن معاف فرمائیے میں اس کی تکمیل کا آرزومند نہیں۔ آپ اگر خلوتیانِ راز میں سے ہیں تو آپ کو یہ "قاب قوسین" مبارک! آپ کیوں اپنی فردوس کو میرے جہنم کے خیال سے بےلطف بناتے ہیں!

مجھے اس زندگی سے آگے جینا نہیں، اور اس کے ختم ہونے میں اب صرف چند سال باقی ہیں! اگر کوشش کروں تو بھی دل کی سیاہی اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی، مجھ سے خدا کی پرستش تو ہوتی نہیں بندۂ خدا کی کیا ہوگی!

آپ شوق سے تشریف لائیے۔ غریب خانہ حاضر ہے، لیکن اس غریب کو غیر حاضر ہی سمجھئے گا۔

جی ہاں، کل ملاقات ہوئی تھی، ماشاء اللہ کیا کہنا ہے۔
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

لیکن سچ پوچھیے تو مجھے افسوس ہوا، ہر چند جوانی کی باتوں کو، جوانی کی نگاہ سے دیکھنے کا زمانہ نہیں، تاہم یہ فصل بہار کبھی مجھ پر بھی گزر چکی ہے، اور عالمِ شیب میں قوتِ تصور تو خیر بڑھ ہی جاتی ہے۔ اس لئے سمجھتا ہوں کہ یہ "انہونی" بات بھی کچھ موقع سے نہیں ہوئی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہو بھی کیا سکتا ہے؟

بہر حال اس وقت وہ نشہ میں چور ہیں۔ نہ لغزش کا خوف نہ گرنے کا خیال، نہ ملامت کی فکر، نہ اندیشۂ مآل ———— کچھ دن گزر جانے دیجئے۔ شاید ہوش آجائے۔ میں نے آپ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ خود بین انسان بہت جلد ٹھوکر کھاتا ہے، اور وہی ہوا، آپ کو انکے حسنِ ذوق اور بلندیٔ فطرت پر اعتماد تھا، اور مجھے انھیں باتوں سے اندیشہ! خیر، وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی ماحول کو گوارا بنایا جائے۔ اور یہ آپ ہی کر سکتے ہیں! آئیے، یا کسی ایسے شخص کو بھیجئے جو ان پر نہیں، ان پر زیادہ اثر رکھتا ہو!

دیکھئے، آپ پھر مہینوں سے ہیں، اور جب یہ خاموشی دور ہو گی تو حسب معمول الٹا الزام مجھی پر رکھیں گی! میں جانتا ہوں کہ عورت کو شکایت میں زیادہ لطف آتا ہے، اور جب کسی کیطرف سے کوئی بات شکایت کی پیدا نہ ہو، تو اسے غصہ آجاتا ہے! لیکن اگر یہ صرف چھیڑ چھاڑ ہا

گرمی محبت قایم رکھنے کے لئے ہو تو خیر کوئی حرج نہیں، لیکن جب یہ
بات نہ ہو — تو پھر؟
میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ نئے تعلق سے آپ خوش ہیں
یا نہیں، آپ نے اس کا جواب بہت مبہم دیا، لیکن اندازِ تحریر میں
ایک چھپی ہوئی آہ محسوس کرکے میں نے عرض کیا کہ ذرا صاف صاف
لکھیئے، اور اس کے جواب میں آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ڈر رہا
ہوں کہیں یہ وہ قصہ نہ ہو جو بات کرنے سے پہلے رونے کے لئے در کار ہوتا ہے
آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے صرف اس لئے ہمدردی ہے
کہ آپ میری جنس کی ستائی ہوئی ہیں، اور میں بطور فرض کفایہ سب کی
طرف سے اس کی تلافی تو خیر کیا کرسکتا ہوں، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں
کہ اب دوبارہ یہ تلخ نوش آپ گوارا نہ کرنا پڑے، اور اسی لئے
آپ کے اس فیصلے سے میں خوش ہوا تھا کہ آئندہ اپنی زندگی آپ
مردوں کی طرح بسر کریں گی۔ اس کے بعد جب آپ نے اپنی لڑکی کو
علیگڈھ تعلیم کیلئے بھیجا تو مجھے آپ کے اس عزم کا زیادہ یقین ہو گیا
لیکن اس کے بعد دفعتاً آپ نے اپنے نکاح کی خبر سنائی۔ اول اول
تو مجھے اس کے باور کرنے میں تامل ہوا، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ عورت
بہرحال عورت ہے، اور وہ مردوں کا سہارا لینے کے بعد ہی خوش
رہ سکتی ہے، میں نے اس خبر کو مسرت کے ساتھ سنا اور بے اختیار

جی چاہا کہ کچھ تفصیل معلوم کروں ــ مگر ــ آپ کی مبہم تحریر اور اس کے بعد آپ کے سکوت نے پھر اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کر دیے۔
اگر آپ نے پھر وہی غلطی کی ہے جو پہلے کی تھی، تو بھی مجھ سے کہنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر اس سکوت کا سبب فرطِ نشاط ہے تو بھی اطلاع دیجئے۔ یہ سنکر مجھ سے زیادہ خوشی کسے ہو سکتی ہے، اگر نامناسب نہ ہو تو بچی کے متعلق بھی لکھئے کہ اب وہ کہاں ہے۔ اگر اب بھی علیگڈھ میں ہے تو میں دہلی آتے جاتے اسکو دیکھنا چاہتا ہوں۔

قبلۂ محترم!
یہ درست ہے کہ اس خارزار نے میرے پاؤں زخمی کر دیئے ہیں، لیکن جب آپ ایسی ہمدردی کرنے والے موجود ہوں تو پھر ــ

وانگہ کرا پروائے جاں گز پائے نشتر بر کند

زندگی کی تلخ کامیوں سے گھبرا کر یہ شکایت کرنا کہ

کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

شیوۂ مردانگی کے خلاف ہے
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی ــــــــ بالکل درست!
لیکن اس "یوں بھی" کے جمود و تعطل کو تو دیکھیئے ــ یہ لنگڑا پن کم از کم میرے بس کی چیز تو ہے نہیں، اگر یہ واقعی کوئی مرض ہے تو بھی

مداوا کی حد سے گزرا ہوا۔ اس لئے ضرورت ہمدردی کی ہے۔ نہ کہ طعن و ملامت کی۔ شکر ہے کہ آپ اس رمز سے واقف ہیں۔

مجھ سے کیا پوچھتے ہو — کہ — سعدی در تو حیران ست و مدہوش
حدیثِ حسنِ خود از دیگران پرسس

میرے ساتھ تمھارا جو معاملہ ہے، وہ تو خیر ایسا ہے کہ مجھے تمھاری اچھی باتیں بھی بری معلوم ہوتی ہیں! لیکن محلہ میں، شہر میں، ملک میں، اور لوگ بھی موجود ہیں۔ ان سے پوچھو کہ تم میں اچھائیاں کیا کیا ہیں! میں نے تم سے بارہا کہا کہ اگر تمھارے اخلاق کی تکمیل میں کسی بات کی کمی ہے تو صرف یہ کہ تم کسی کے مرید نہیں ہو — اگر یہ کمی پوری ہو جائے، تو پھر تمھارا جواب نہیں، لیکن تم سنتے ہی نہیں، مذاق سمجھتے ہو۔

دیکھو بعض باتیں انسان میں ذہنی طور پر بری ہوتی ہیں، سو وہ تم میں موجود ہی ہیں، لیکن بعض برائیاں اکتسابی بھی ہوتی ہیں، اور ان کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ "دست بیع" ہو جاتا ہے۔ اس کوچہ میں آؤ تو پتہ چلے کہ کیسے کیسے "رموزِ حیات" ابھی تک تمھارے لئے "ناکشودہ" پڑے ہوئے ہیں!

سنا ہے تمھارے بھائی صاحب نے تو ایک مزار کو اڈا اپنا لیا ہے اور وہاں "کشف حجاب" اکثر ہوتا رہتا ہے، پھر تمھیں کیوں تامل ہے!

جی ہاں! معاملہ کچھ سرد تو ہوگیا ہے، لیکن؟
گیرد صبا خراج زخاکسترم ہنوز

اب بھی "خانوادہائے علم وفضل" سے جو جھونکا ادھر آتا ہے وہ گرم ہی ہوتا ہے، خدا کے لئے آپ ہی ان کو سمجھائیے۔ کہ خدا سے محبت کرنا یہ کب سکھائیں گے ـــــ صدیاں گزر گئیں کہ خدا کو انھوں نے ہیبت و جلال والا بادشاہ بناکر پیش کیا۔ اب اسے عرش سے نیچے اتار کر خدا فرش پر بھی تو لائیں۔ خاک نشینوں کو کبھی تو دیکھنے کا موقع دیں آخر وہ وقت کب آئے گا جب خدا انسان سے کھل ملکر اپنی جگہ ان کے دل میں پیدا کرے گا۔

خدا کے جس تصور نے اس وقت ساری دنیا کو خاک وخون میں تڑپا رکھا ہے۔ کیا وہ اب بھی ختم نہ ہوگا۔ کیا عقلا نے فیصلہ کر لیا ہے، کہ جب تک انسانی آبادی ختم نہ ہو جائے گی وہ خدا کو اس مصیبت زدہ کرہ زمین پر آنے کی اجازت نہ دینگے ـــــ کیا خدا کی حکومت اب صرف درندوں اور عفریتوں پر ہوگی! یہ آخر قصہ کیا ہے! سچ کہتا ہوں! بعض وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ سینہ شق ہو جائے گا! لیکن کہوں کس سے، ان شقیوں سے! ـــــ معاذ اللہ

صدیقی! خط ملا، پڑھ کر ہنسی آگئی۔ حیرت ہے کہ تیس سال کی ملاقات کے بعد آپ میرا کمزور پہلو نہ جان سکے! آپ نے وہ خدمت میرے سپرد فرمائی ہے کہ بنا بنایا کام بھی بگڑ جائے۔ عورت کے باب میں میرا نظریہ یہ ہے کہ وہ انتہائی گناہگار ہونے کے باوجود بھی اویس و بایزید سے زیادہ معصوم ہے! یقیناً آسیہ بیگم نے زیادتی کی ہو گی۔ اور آپ کے دوست کو شوہر ہونے کا پورا مزہ چکھایا ہو گا، لیکن،

کھینچو گر تم اپنے کو کشاکشِ درمیاں کیوں ہو

ان حضرت کو کیا سوجھی کہ خواہ مخواہ اپنے کو "قوامون علی النساء" ثابت کرنے کے لئے اُلجھ پڑے!

اے حضرت، وہ کسی پیر فقیر کی لڑکی تو ہے نہیں کہ باپ نے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے اس کی شادی کر دی ہو، نسل میں وہ آپ کے دوست سے بہتر، عزت و اقتدار میں وہ آپ کے دوست پر فائق، جاہ و ثروت میں وہ آپ کے دوست سے بڑھی چڑھی، اور خیر صورت کا تو ذکر ہی فضول ہے، کیونکہ اگر ایک آفتاب ہے تو دوسرا آفتاب بہ دوار پھر آپ ہی بتایئے کہ اس حالت میں سوا ایک فدوی، قسم کا شوہر بنے رہنے کے چارہ ہی کیا ہے، لیکن آپ کے دوست کی حماقت ملاحظہ کیجئے کہ بیگم سے وہ توقع رکھتے ہیں، چاکری کی کنیز بنکر رہنے کی! میں اس شادی کی تاریخ سے ناواقف نہیں ہوں، آسیہ بیگم کے

والد نواب خاقان حسین پرانی وضع کے بزرگ تھے اور آپ کے دوست (یوسف) کے والد سے ان کے تعلقات نہایت مخلصانہ تھے جب یوسف کے والد کا انتقال ہونے لگا تو وہ یوسف کو ان کے سپرد کر گئے انھوں نے جو کچھ کیا، اس کی مثال اس دنیا میں شاید ہی کوئی مل سکے۔

خود حضرت یوسف سے پوچھیے کہ وہ گریجویٹ کس کی بدولت ہوئے، ملازمت کس کی کوشش سے ملی۔ رہنے کو کوٹھیاں، سیر کرنے کے لئے موٹریں، کس کے صدقہ میں انھیں میسر آئیں —— حیرت ہے کہ خاقان حسین خاں کی آنکھ بند ہوتے ہی، ان کی آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے، انسانیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ خود آسیہ بیگم کی خدمت کو سعادت سمجھتے نہ یہ کہ ان کو کنیز بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ دماغ خراب ہوگیا ہے کہدیجئے کہ وہ خود آسیہ بیگم سے جا کر معافی چاہیں مجھے بیچ میں نہ ڈالئے ورنہ میں گیا تو یوسف کے خلاف ان کا جذبہ اور زیادہ مشتعل ہو جائیگا میں آپ کی اور یوسف کی سب سے بڑی مدد یہی کر سکتا ہوں کہ خاموش رہوں۔

مکرمی! ابواب کی تقسیم عنوانات کی فہرست اور ترتیب کی نوعیت آپ کے خط سے معلوم ہوگئی۔ خوب ہے، غالب کے متعلق لکھتے رہنے کا لوگوں کو جنون ہوگیا ہے، لیکن اس دفتر بے پایاں میں کام کی باتیں بہت کم ملتی ہیں۔ شرح کے سلسلہ میں تو خیر لوگوں نے ایسی

عجیب وغریب حرکتیں کی ہیں کہ ہنسی آتی ہے، لیکن تذکرہ و انتقاد کی حیثیت سے جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بھی ہنوز محتاجِ تکمیل ہے۔ آپ کی کتاب مجھے زیادہ کام کی چیز معلوم ہوتی ہے، اسے جلد پورا کر کے چھپوا دیجئے۔

آپ نے چونکہ مشورہ کا شدید تقاضہ کیا ہے۔ اس لئے "کچھ نہ کچھ کہنے" کے طور پر کہوں گا کہ انتقاد کے سلسلہ میں نفسیاتی پہلو کو آپ نے بھی نظر انداز کر دیا۔

نقد و تبصرہ کے دو پہلو ہیں! ایک کا تعلق نقاد کے زاویۂ نگاہ سے ہے (اور اسی کو سامنے رکھکر لوگ زیادہ طبع آزمائی کرتے ہیں) دوسرا پہلو خود شاعر کا نقطۂ نظر ہے، اور اس پر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔

ایک نقاد اس وقت تک صحیح نقد نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اپنے زمانہ کو چھوڑ کر شاعر کے زمانہ میں نہ پہونچ جائے۔ اور اپنی ہستی سے علیحدہ ہو کر شاعر کی ہستی نہ اختیار کرے۔ اس کے لئے ایک خاص قسم کے دوربینی (Telescopic) مطالعہ کی ضرورت ہے، جو آسان نہیں۔ مثلاً غالب ہی کو لیجئے کہ جب تک آپ بہادر شاہ کی دلّی تک نہ پہونچیں اور غالب کی سی ذہنیت اپنے اوپر طاری نہ کر لیں۔ اس وقت تک اس کے کلام پر کوئی صحیح تبصرہ نہیں کر سکتے، اسی کو میں نفسیاتی انتقاد کہتا ہوں۔

اس سلسلہ میں غالب کی ہر غزل، اس کے ہر ہر شعر پر غور کرنا ہوگا۔ یعنی اس کا کلام سامنے رکھکر ہم کو غالب کی جذباتی زندگی کی ایک

ایسی تاریخ مرتب کرنا ہوگی جو اس کے سیاسی، اقتصادی، و تمدنی ماحول سے علیحدہ نہ ہو، اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس نے کتنی غزلیں مقررہ طرحوں پر لکھی ہیں، اور کتنی غزلوں کی زمین خود اس نے پیدا کی ہے! پھر اگر کوئی زمین خود اس نے پیدا کی ہے تو کیوں؟ ظاہر ہے کہ پہلے کوئی مصرعہ یا شعر بے اختیار ہو گیا ہوگا، اور پھر اس پر غزل کہی ہوگی۔ مثلاً ـــــ غالب کی ایک مشہور غزل ہے "زبوں وہ بھی۔ خوں وہ بھی" میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے لئے پہلے کوئی طرح مقرر ہو چکی تھی، بلکہ خود غالب کی پیدا کی ہوئی زمین معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ زمین کیوں اس کے ذہن میں آئی۔ یقیناً پہلے کوئی نہ کوئی شعر یا مصرع بے اختیار ہو گیا ہوگا۔ اور پھر اس پر غزل لکھی ہوگی اب آپ پوری غزل پڑھ جائیے، اور غور کیجئے کہ اس میں کونسا شعر یا مصرعہ بے اختیارانہ نظم ہو گیا ہوگا۔ میری رائے میں سب سے پہلے مقطع غالب کے ذہن میں آیا ہوگا!

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جب اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

مقطع کے بعد اس کو فکر ہوئی ہوگی کہ ردیف و قافیہ کیا ہونا چاہیئے اگر کوئی اور شخص ہوتا تو وہ بغیر قافیہ کے صرف بھی (ردیف) کو سامنے رکھکر غزل کہہ ڈالتا، لیکن غالب کی مشکل پسند طبیعت کے لئے کہوں کو قافیہ قرار دیکر غزل کہنا مشکل نہ تھا، جبکہ زبوں، خوں، واژگوں اور

جنوں، ایسے اچھے اچھے قافیے سامنے موجود تھے، وہ بھی (ردیف) کو غالب نے اس غزل میں جس خوبصورتی کے ساتھ نبایا ہے، وہ ہر شخص کا کام نہ تھا۔ مطلع کہنا اور زیادہ مشکل تھا لیکن باوجودیکہ دونوں مصرعوں میں ردیف کا تعلق ایک ہی چیز یعنی "دل" سے ہے۔ لیکن وہ کسی جگہ بیکار نہ ہوئی۔ میں اس غزل کو غالب کی زندگی کا خاص کارنامہ سمجھتا ہوں، اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس زمانہ میں ماحول کا جو رنگ تھا اس سے یہ غزل پوری طرح رچی ہوئی ہے اور غالب کے صحیح جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے!

آپ غالب کی مشکل زمینوں میں کوئی نہ کوئی شعر یا مصرعہ ایسا ضرور پائیں گے، جو غزل کی بنیادی چیز ہوگا! مثلاً چند مشکل زمینوں کے بنیادی مصرعے ملاحظہ ہوں:-

ایک غزل ہے "لیالی نے مجھے"۔ "نہالی نے مجھے" لیکن اس کا بنیادی مصرعہ یہ ہے:-

عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے!

غالب نے بہت کوشش کی کہ وہ اس زمین میں پوری غزل کہہ سکے لیکن اول تو چار شعر سے زیادہ وہ فکر نہ کر سکا اور جو اشعار کہے، وہ بھی کسی قابل نہیں ہیں، یہاں تک کہ اس بنیادی مصرعہ پہ بھی کوئی اچھا مصرعہ ہاتھ نہ آیا۔

اس غزل کی ناکامی کا سبب صرف یہ تھا کہ جس جذبہ کے تحت وہ ایک مصرعہ ہوگیا تھا، اس کو سنبھالنے والے قافیے دوسرے میسر نہ آسکے اور غزل "برائے گفتن" کی حیثیت سے آگے نہ بڑھ سکی۔

یہی حال بالکل پہلی غزل کا ہے کہ سوا بنیادی مصرعہ "صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا" کے اور کوئی شعر یا مصرعہ پیدا نہ ہوسکا۔

بہرحال کلام غالب کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے اور اگر آپ نے کوئی عنوان "نفسیاتی" گفتگو کے لئے الگ کر لیا ہے۔ تو اس سلسلہ میں یہ بحث بہت پُرلطف رہے گی۔ اگر زحمت نہ ہو تو مطلع فرمائیے کہ آپ نے اس خیال کو پسند کیا یا نہیں!

عزیزی! ہاں اشکر ہے، علیل ہوں، اور دماغی تعطیل کا لطف اُٹھا رہا ہوں، آپ کو یہ تمام حالات کیونکر معلوم ہوئے؟ میں نے تو کوشش کی تھی کہ گھر سے باہر کسی کو میری علالت کا علم نہ ہو، یہاں تک کہ بعض مخصوص احباب و اعزہ کو بھی بے خبر رکھا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے کوئی جاسوس میرے یہاں چھوڑ رکھا ہے۔ بہتر ہے اسکی فکر کبھی کروں گا۔

واقعی حالت بڑی سخت تھی، اور اب بھی کوئی اچھی نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، قدرت نے پھر چندے کی مہلت دیدی ہے۔ خیر! پرسش حال کا شکر گزار

ارے بھئی! اُن کی کیا ہے۔

وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں!

مشکل تو ہماری تمھاری ہے کہ "ڈوبنے جائیں تو دریا ملے پایاب ہمیں"

تم نے اچھا کیا، اپنی توقعات اُدھر سے ہٹا لیں۔ ان کے اچھے ہونے میں کلام نہیں! لیکن ان کی اچھائی سے فایدہ اٹھانے کے لئے دل خون کرنے کی فرصت و ہمت چاہیئے۔

میری رائے میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اظہار رنج و بیزاری کے آپ نہایت خوش دلی کے ساتھ علیحدہ ہو جائے، ہرچند میں جانتا ہوں، وہ حقیقت سمجھ جائینگے۔ بلا کے ذہین ہیں، تاہم یہ کج بحثی تو ختم ہو جائے گی!

میں خود ان سے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا، میرے تمھارے تعلقات سے واقف ہیں! فوراً سمجھ جائیں گے۔ ایک اور صاحب کے ذریعہ سے اس مسئلہ کو چھیڑ دونگا! اُمید تو نہیں کوئی اچھا نتیجہ نکلے، لیکن حرج بھی کیا ہے!

تمھارا فی الحال کسی بہانہ سے رخصت لیکر چلا آنا بھی مناسب نہیں۔ معاملہ تازہ ہے، وہ سمجھ جائینگے، کہ یہ بھی ایک قسم کا احتجاج ہے، بہرحال چند دن صبر کرو۔ اور میرے دوسرے خط کا انتظار۔

میں تو آپ کو صرف "خداوند" کہتا تھا ــــ "خدا" کب سے ہوگئے؟
لیکن اگر آپ یہ پوچھ بیٹھے کہ ان دونوں میں فرق ہی کیا ہے، تو سوا چپ
رہنے کے اور کیا کر سکتا ہوں!

بندہ نواز، خدا جانے کتنے ناتمام شکوے ایسے ہیں جو ایک زمانہ
سے سینے میں چبھ رہے ہیں۔ لیکن میں نے کبھی آپ پر ظاہر نہیں ہونے دئے،
اب آپ چاہتے ہیں کہ یہ سب کچھ "واشگاف" ہو جائے۔ شاید اسلئے
کہ آپ کے نزدیک ہم بندگانِ ضعیف میں صدائے "لن ترانی" سننے کی
تاب نہیں ہے یا پھر اس لئے کہ :-

تا کجا خواہم فشرد ایں دامنِ نم ناک را!

بہر حال آپ خدا ٹھہرے، اور خدا کی نیت کا حال خدا ہی کو معلوم
ہو سکتا ہے، اس لئے میں زیادہ قیاس آرائی سے کام لیتے ہوئے ڈرتا ہوں،
مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ دور "عدمیت" کا ہے۔ یعنی بادشاہ اور
بادشاہ کے قسم کی جتنی چیزیں ہیں سب دنیا سے محو ہوتی جا رہی ہیں۔ اسلئے
اگر حرج نہ ہو تو "کارگاہِ کبریائی" کو زیادہ وسیع نہ ہونے دیجئے۔ اور ہو سکے
تو اسے مختصر کر کے انسانی دسترس سے قریب تر کر دیجئے، ورنہ دنیا میں
جنید و شبلی کے پاس بھی اس کا جواب نہیں کہ :-

رہ گم شدگانیم، چہ جوئیم خدا را!

پھر میں یہ تو نہیں کہتا کہ جن کو آپ نے خفا کر دیا ہے، انھیں خود ہی

بلائے، لیکن اگر وہ آنا چاہتے ہیں تو کم از کم انھیں ٹھکرائے بھی نہیں۔ !
"یوسفِ بے کاروان" بھی کوئی "یوسف" ہیں "یوسف" ہے ! ۔

مکرمی۔ تسلیم شعر و شاعری میں آپ کی ژرف نگاہی کا قائل ہوں،
لیکن بعض اوقات آپ اس قدر میکانکی (mechanical) قسم کی باتیں
کرنے لگتے ہیں کہ ان کا جواب ممکن ہو یا نہ ہو، لیکن شعر کا لطف یقیناً خاک
میں مل جاتا ہے !

جس زاویہ نگاہ سے آپ نقد فرماتے ہیں، وہ اتنا تنگ ہے کہ
مشکل ہی سے شعر کی وسعتیں اس سے ناپی جا سکتی ہیں ! لیکن چونکہ اس میں
منطق ہوتی ہے، اس لئے کوئی معقول جواب بھی نہیں دیا جا سکتا۔

پھول، خوشبو، رنگ، موسیقی اور شاعری سب ایک ہی قبیل کی چیزیں
ہیں جن سے ریاضی والی ذہنیت بہت کم لطف اٹھا سکتی ہے۔ مگر پھول کے
رنگ و بُو سے لطف اٹھانے والے پنکھڑیوں کی ناہمواری کو نہیں دیکھتے اور
موسیقی پر وجد کرنے والے ساز کے حسن و قبح سے بے نیاز ہوتے ہیں !

آپ کی کیمیاوی اور میکانکی ناپ تول اپنی جگہ بالکل درست، لیکن شعر
سے اس کا کیا تعلق ہے اس کا مقیاس تو صرف وجدان ہے۔ غالب کا ایک شعر ہے:-

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد سے لیکن وہ کہے جائے کہ "ہاں" اور

کتنا پاکیزہ شعر ہے، ذوق اس کو سنکر کس قدر آسودہ ہوتا ہے، لیکن آپ کے منطقیانہ نقطۂ نظر سے یہ بالکل مہمل قرار پائے گا۔ جلاد کا کام یہ ہے کہ وہ "تلوار لے کر ایک بار سر اڑا دے" اس میں "ہاں اور" کی گنجائش کہاں؟ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضروری نہیں، ایک ہی ضرب میں سر اڑ جائے ہو سکتا ہے کہ جلاد کی پہلی ضرب میں غالب کی گردن کا صرف ایک حصّہ کٹا ہوا اور جب جلاد نے ہاتھ روک لیا ہو تو محبوب نے "ہاں اور" کہا ہو۔ لیکن یہ جواب اعتراض سے زیادہ لغو ہوگا۔

ایک اور شعر سنئے :۔

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

اہلِ ذوق کے نزدیک یہ شعر غالب کے بہترین اشعار میں سے ہے لیکن منطق سے کام لیجئے تو یہ بھی مہمل نظر آئے گا۔ "مرا ہونا" — کہاں ہونا؟ قفس میں، بالکل ٹھیک۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "نوا سنجانِ گلشن" کو غالب کا وجود چمن میں کیوں ناگوار ہے، کیا اس لئے کہ وہ قفس میں ہے، نہیں، بلکہ صرف اس بنا پر کہ وہ شیون کرتا رہتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں کہ "نوا سنجانِ گلشن" غالب کے شیون ہی کو پسند نہیں کرتے خواہ وہ قفس میں ہو، یا قفس سے باہر! یہ کہنا کہ "مرا ہونا بُرا کیا ہے" کوئی معنی نہیں رکھتا، اور غالب کی طرف سے گلشن میں رہنے کے لئے یہ استدلال بالکل مہمل ہے۔

ایک اور شعر:-

ہوکے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے، جتنا کہ اڑتا جائے ہے

اول تو رنگ اُڑنے کے بعد اس کا اور زیادہ کھل جانا ضروری نہیں لیکن اگر ایسا ہو بھی تو نزاکت سے اسے کیا واسطہ۔ نزاکت کا تعلق رنگ سے نہیں، بلکہ جسم کی ساخت سے ہے۔ لیکن غالب نزاکت کے ثبوت میں صرف رنگ اڑجانا پیش کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے "پری رخ" کا فقرہ بھی قابل غور ہے۔ کسی کو "پری رخ" کہنے کے معنے ہی یہ ہیں کہ رنگ نقشہ کے لحاظ سے وہ معیاری حسن رکھتا ہے، اس لئے رنگ اڑنے کے بعد اس میں رنگ کھلنے کی گنجائش کہاں؟- بہرحال اس قسم کی گفتگو سے ہر اچھے سے اچھے شعر کو مکروہ دکھا سکتے ہیں!

آپ میں بھی کبھی کبھی یہی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے آپ کے ([illegible]) پر تو صیقل ہو سکتی ہے، لیکن لطف شعر سے آپ محروم ہو جاتے ہیں۔ اسے چھوڑئے، اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، پھول کی پنکھڑیاں نہ دیکھئے۔ بلکہ صرف اس کی خوشبو سے لطف اٹھائیے، علاوہ اس کے یوں بھی شاعروں کو دنیا میں جینے کا حق حاصل ہے۔ اگر آپ نے اتنا پریشان کیا تو وہ غریب کیا کریں گے!

تمھاری بزم میں شرکت کی تمنا کس کو نہ ہوگی، لیکن مشکل یہ ہے کہ:۔

جو کوئی آئے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

تمھارا جلوہ ارزاں اور یہاں جرأت رندانہ مفقود! انھیں بتاؤ زندگی کی کیا صورت؟

میں جانتا ہوں، تبدیلِ مقام کی مجھے ضرورت ہے، لیکن تمھارے یہاں! جہاں "مقام" کا وجود ہی معدوم ہے! تم نے جس محبت سے بلایا ہے اسکی تعمیل بیشک مجھ پر فرض ہے لیکن تمھارے مہانوں کا ہجوم مجھے اس فرض سے کب عہدہ برآ ہونے دیتا ہے — اگر کبھی اتفاق سے تنہائی کا کچھ زمانہ تمھیں مل جائے تو لکھنا۔ لیکن جانتا ہوں یہ کبھی نہ ہوگا، اور مجھے بغیر تبدیلِ مقام ہی کے اچھا ہونا پڑے گا۔ خیر۔ خوش رہو۔

حضت! آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ میں آپ کا بندہ ہوں۔ اس سے زیادہ مسرت اور کیا ہوسکتی ہے!

بر پائے دو دست بندگرانے نہادہ
نازم بہ بندگی کہ نشانے نہادہ

لیکن سوال یہ ہے کہ اس عذر کی ضرورت ہی کیا تھی! — کیا خدانخواستہ آپ کو میری طرف سے شکوہ و شکایت کا اندیشہ پیدا

ہوگیا تھا، یا یہ بھی کوئی تازہ "طرحِ ستم" تھی۔؟

مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ صرف اعتماد کی بنا پر، اور میں کبھی آپ کو اپنے اعتماد سے شرمندہ نہ ہونے دونگا۔ مطمئن رہیئے — میں بیشک اس قابل نہیں، رہا کہ وہاں جاکر منھ دکھاؤں، لیکن آپ سرخرو ہو گئے، یہی کیا کم ہے!

محترمہ۔ "خطاب" کی اجنبیت پر آپ کو حیرانی ہو گی! لیکن معاف کیجئے، آپ کا تازہ خط پڑھنے کے بعد تو مجھے "رابعۂ دوراں" لکھنا چاہیئے تھا۔ آپ کی ذہنیت کے اس انقلاب کو دیکھتا ہوں اور حیرت کرتا ہوں!

"ختم نبوت" کے متعلق آپ میری رائے دریافت کرتی ہیں۔ میں اس سے پہلے بھی کبھی ظاہر کر چکا ہوں اور پھر اسی کا اعادہ کرتا ہوں کہ رسول اللہ بیشک نبی آخرالزماں تھے! کیونکہ اب اگر واقعی کوئی نبی آئے بھی تو اُسے کون مانتا ہے!

"پچھلا زمانہ ہوتا تو گاندھی جی بھی رسول ہو سکتے تھے! علامہ مشرقی بھی دعویٰ نبوت کر سکتے تھے — اور وہ تو وہ — میں بھی نبی بن سکتا تھا (مسیلمہ ہی کی قسم کا سہی) اور آپ بھی نبیہ ہو سکتی تھیں (سجاح بنت اوس کی سی سہی، گو اُن دونوں کی شادی ہو گئی تھی اور ——————"

میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ کس خبط میں مبتلا ہو گئی ہیں، مذہب کو سمجھنے

کی کوشش چھوڑئے، مذہب کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو پہلے خدا کو سمجھے اور خدا کو سمجھنے کے باب میں بیدلؔ کا فیصلہ آپ نے بھی سُنا ہوگا کہ:-

چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدنہا

پھر جس چیز کے سمجھنے کی "ابتدا و انتہا" "اعترافِ جہل" کے سوا کچھ نہ ہو، اس پر غور کرنا حماقت ہے!

آپ کے لئے اصل مذہب بچوں کی صحیح تربیت اور فرائض نسوانی کا ادا کرنا ہے، ان سے کسی وقت فراغت نصیب ہو، اور خدا کو سمجھنے کا جی چاہے تو کائنات کی Comedies کو نہ دیکھئے بلکہ اس کی Tragedies پر غور کیجئے! اور عہدِ حاضر کی سب سے بڑی ٹریجڈی موجودہ جنگ ہے اس وقت مذہب سے زیادہ ضروری سیاسیات کا مطالعہ ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ہماری آپ کی اقتصادی و معاشی زندگی سے بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک آپ کو یہ اطمینان نہ ہو کہ صبح کو آپ کے بچے کیا کھائیں گے عشاء و تہجد کی نماز بھی آپ سے اچھی طرح ادا نہ ہوگی!

بندہ نواز! گرامی نامہ کا شکریہ، آپ نے بیدلؔ کا ذکر کر کے مجھے بےچین کر دیا، جی تو میرا بھی وہی چاہتا ہے جو آپ فرماتے ہیں لیکن عرفیؔ کا شعر آپ نے سنا ہوگا

من کہ باشم عقلِ کل را ناوکِ انداز ادب
مرغِ اوصافِ تو از اوجِ بیاں انداختہ

پھر سب سے بڑا سوال وقت و فرصت اور صحت و توانائی کا بھی ہے، اگر آپ کے پاس کایا پلٹ کا نسخہ ہو تو بھیجدیجئے تا کہ اسے استعمال کر کے پہلے جوان ہو جاؤں پھر ملک الموت سے وعدہ لیجئے کہ وہ کسی ناگہانی حادثہ کی صورت میں بھی کم از کم ۵۰ سال تک میرے سامنے نہ آئینگے! سچ کہتا ہوں کہ بیدل پر ریسرچ کرنے کیلئے اتنے ہی وقت و اطمینان کی ضرورت ہے!

آج کل کے بعض نوجوان جو فارسی میں ایم اے اور پی، ایچ، ڈی کی تیاریاں کر رہے ہیں، میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ وہ کس موضوع پر ریسرچ کریں، میں نے اُن میں سے ہر ایک کے سامنے بیدل کا نام لیا، لیکن اُن میں سے کسی نے سانس تک نہ لی۔ وہ غریب کیا کریں خود اُن کے اساتذہ میں بیدل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں!

آپ کے حلقہ میں اگر کوئی سرپھرا نوجوان ایسا نظر آئے تو اسی کو آمادہ کیجئے، جہاں تک مشورہ کا تعلق ہے میں، ہر وقت حاضر ہوں گا!

حضرت! آپ مستقبل کی تاریکی سے گھبرا رہے ہیں اور میں اس کی روشنی ابھی سے محسوس کر رہا ہوں، آپ کا یہ اعتراض یا استفسار بالکل درست ہے کہ:

نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں اسکے توسن کو؟

لیکن کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں!

پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

قبلہ، فطرتِ حقیقی فیاض ہے اتنی ہی کھلنڈری بھی ہے، جو خدا عاد و ثمود کو تباہ کرسکتا ہے، جو بابل و نینوا کی سر بفلک عمارتوں کو کھنڈر بنا سکتا ہے، وہ سب کچھ کرسکتا ہے! محفل کا دستور یہی ہے کہ جام مے دست بدست چلے!

یقیناً نہ آپ کا خون جوان ہے، نہ میرا، لیکن بقول غالبؔ

آنکھوں میں تو دم ہے!

پھر یہ اور بات ہے کہ آپ اُن میں اشک پاتے ہوں، اور میں شرار!

تو از آتش دُخاں بینی، من آتش از دخاں بینم!

ہاں میں ان سے ملا، اور اس میں شک نہیں اگر آنکھیں کسی کو مار ڈال سکتی ہیں، تو مجھے مرجانا چاہیے تھا — لیکن زندہ ہوں اور اپنی زندگی پر حیران۔ میں نے آپ کی تمام شرطیں پیش کیں اور ایک ایک کرکے انھوں نے سب رد کردیں۔ میں نے یہ سب کچھ نیازمندانہ لہجہ میں عرض کیا تھا۔ لیکن شروع سے آخیر تک میں ان کی پیشانی کی ایک شکن بھی کم نہ کرسکا۔ وہ بپھرے ہوئے تیور، وہ کھنچے ہوئے ابرو، وہ غصہ سے تمتمایا ہوا چہرہ! بس یوں سمجھئے کہ سراپا "تصویرِ لن ترانی" سامنے تھی۔ شکر ہے کہ میں موسیٰ نہ تھا ورنہ ختم ہی ہو جاتا!

سنئے صاحب، اگر آئندہ ایسی خطرناک خدمت آپ نے میرے سپرد کی، تو بجائے پیامبر ہونے کے آپ کا رقیب بن جاؤں گا، پھر شکایت نہ کیجیے گا!

یہ آپ نے خوب سوال کیا کہ "دُنیا میں کسی چیز کا میں قایل بھی ہوں، یا نہیں" ــــــ اے حضرت، آپ کا قایل ہوں، آپ کی پارسائی کا قائل ہوں، اور آپ کی اُن شب زندہ داریوں کا قایل ہوں، جو صبح سے شام تک آپ کے چہرے کی شکنوں کو دور نہیں ہونے دیتیں اور ان سب سے زیادہ آپ کے اس قول کا قایل ہوں کہ "جو ہم میں سے نہیں وہ کہیں کا نہیں!"

کائنات کے معمہ کو ایجاز کے ساتھ صرف ایک فقرہ میں حل کر دینا، ایسا کھلا ہوا اعجاز ہے کہ میں کیا، دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی آپ کے سامنے سر نیاز جھکا دینے پر مجبور ہے۔ سچ ہے ــــــ ایں سعادت بزور بازو نیست!

اس سے زیادہ خراجِ تحسین آپ چاہتے ہوں تو دریاآباد یا اعظم گڈھ جایئے، ہو سکتا ہے کہ اس سومناتھ میں بُت کی حیثیت سے آپ کو بھی کوئی نمایاں جگہ مل جائے۔ مجھ پر آپ کیوں بار بار اپنا وقت ضایع کرتے ہیں!

مسلماں کافرم، کافر مسلماں
نہ دینم رونقے دارد نہ دنیا

اگر اسلام کا مفہوم واقعی وہی ہے جو آپ لوگوں نے قرار دے رکھا ہے تو ــــــ "ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی" اگر جنت احمق بننے کے بعد ہی مل سکتی ہے تو آپ کو مبارک ہو، مجھے جہنم دیجیے کہ وہاں لاکھ تکلیف سہی لیکن کم از کم صحبتِ ناجنس کا عذاب تو نہ ہوگا، یہ اطمینان تو ہوگا کہ آپ وہاں نہیں ہیں! یہ راحت کیا کم ہے!

نیاز نوازا ، ایک زمانہ کے بعد کل آپ کا خط ملا ، لیکن اس قدر اظہارِ "بیگانگی" کی کیا ضرورت تھی ۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں زخم بننے سے پہلے ہی "داغِ دل" محو ہو چکا تھا ، یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ مبادا "پندارِ محبوبیت" میں کوئی ایسی ادا آپ سے سرزد ہو جائے جو "نمایشِ تقدس" یا "پردہ داری" کے منافی ہو ۔ خیر مومن کی طرح میں آپ سے یہ فرمائش تو نہیں کر سکتا کہ ——— میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا ——— لیکن اتنا کہنے میں غالباً کوئی حرج نہیں کہ ——— "اوروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا"

جن صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے ، افسوس ہے کہ ان کا پتہ مجھے معلوم نہیں ، ایک زمانہ سے میرے اُن کے درمیان مراسلت بند ہے ۔ اگر کبھی مل گئے تو کہہ دوں گا کہ "کوہِ ندا" پر آپ کو کوئی بلا رہا ہے ۔ !

قبلہ ! آپ جانتے ہیں ، میرے دل میں آپ کی کتنی عزت ہے یعنی "خدائے غیر باطل" کے وجود یا عدم وجود پر تو میں گفتگو کر سکتا ہوں لیکن آپ کو "الٰہ باطل" باور کرنے میں کبھی میں نے تامل نہیں کیا ، اگر اب بھی آپ کو میری بندگی و نیازمندی کا یقین نہیں تو سوا اس کے کہ غالب کی طرح "نمرود کی خدائی" کا رونا روؤں اور کیا کر سکتا ہوں !

اس سے زیادہ بدنصیبی میری اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں دن کو دن کہوں تو آپ کے نزدیک غلط ، دوسرے دن کو رات کہہ دیں تو صحیح ! آخر ایسا کیوں ہے

آپ ہی بتایئے، میری سمجھ میں تو آتا نہیں! کیا "بندگی" و "بندہ پروری" کی دنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے؟

بہرحال میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اگر آپ کو اپنے "ملائکۂ مقربین" کے کہنے پر اتنا ہی اعتبار ہے، تو بیشک آپ اپنی "بارگاہِ الوہیت" سے مجھے نکال دیجئے۔ لیکن یہ مطالبہ نہ کیجئے کہ میں ان کے آگے سر جھکاؤں۔ کوئی نہ کوئی "موحدِ اعظم" کہنے والا مل ہی جائے گا!

حضرت!

کہئے آپ کے "گیسو دراز" آج کل کہاں ہیں؟ خصوصیت کے ساتھ اُن کے یاد آجانے کا سبب یہ ہے کہ آج کل انہیں کے ٹکر کے ایک صاحب میرے مکان کے قریب مقیم ہیں! سر سے پاؤں تک بالکل عطر و رنگ، خوش شکل بھی ہیں اور خوش گلو بھی ——— وہ تو کسی کو دھوکا دینا نہیں چاہتے، لیکن ان کی وضع و صورت دیکھ کر خود کوئی دھوکہ میں آجائے، تو وہ کچھ کہتے بھی نہیں۔ بہت تجربہ کار شخص ہیں!

مجھ سے کبھی کبھی ملتے ہیں، لیکن بالکل "دامن کشاں" انداز سے، حالانکہ میں گاہ گاہ اُن کی "کھل کھیلنے والی" صحبتوں میں بھی شریک ہونا چاہتا ہوں ۔!

اگر وہ یہاں ہوتے تو شاید میں اس میں آسانی سے کامیاب ہو جاتا، اس لئے پوچھتا ہوں کہ کہاں ہیں۔ پتہ معلوم ہو تو لکھئے، انھیں چند دن کے لئے پکڑ لاؤں!

چھوڑیئے اس قصہ کو، آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں،
غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

آپ کی محبت کا ہمیشہ سے زیر بار ہوں، کیوں آپ بار بار مجھے کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ میں اپنی ہستی سے زیادہ واقف ہوں، اور انتہائی عالمِ کیف و سرشاری میں بھی اپنی جگہ "پائیں" کے علاوہ کہیں نہیں پاتا۔ جو حضرات اپنے آپ کو مسند نشیں سمجھتے ہیں اُن کو دعوائے صدارت مُبارک، لیکن میں بھی اس کی تصدیق کروں، یہ محال ہے، کیونکہ میں تو انھیں پائیں سے بھی کچھ نیچے، اپنے سے بھی کچھ فروتر پاتا ہوں!

آپ کو نہیں معلوم کہ ان "خانوادگانِ علم و مذہب" میں کس کبر و ریا کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور کیسا کیسا "زبردست عزازیل" وہاں سانس لے رہا ہے۔ انھوں نے انسانی آبادی کو گھٹا کر صرف اپنی چار دیواری میں محدود سمجھ رکھا ہے اور خدا کو اس سے بھی زیادہ مختصر کر کے اپنے جیب و آستین میں لئے پھرتے ہیں!

ان کے یہاں "خلیفتہ اللہ فی الارض" وہ نہیں ہے جو نوامیسِ قدرت کی جستجو کر کے خدا کو پہچانتا ہے۔ بلکہ وہ خدا کو خدا سمجھتا ہے، صرف اس لئے کہ اُس نے

مرغ و ماہی کو پیدا کیا' اور انسان کو ان کے کھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے جنت بنائی اور جنت کی خوبصورت حوروں پر انھیں تصرف کی اجازت دی!

آپ کہیں گے مذہب تنہا اسی کا نام تو نہیں' میں کہوں گا مذہب میں اس کا ذکر ہی کیوں ہے۔ آپ فرمائیں گے۔ اس میں حرج بھی کیا ہے! میں عرض کروں گا کہ پھر دنیا میں کیوں اس کی آزادی نہیں۔ وہی انسان' وہی اس کے جذبات لیکن یہاں مجبور' وہاں مختار' کیوں؟ —— شاید اس لئے کہ یہاں سوشل نظام کے لئے جبر و منع کی ضرورت ہے —— تو کیا وہاں کا نظام سوا اس "آدیزش" کے اور کچھ نہ ہوگا —— معاذ اللہ! انسان کو چھوڑئے' کیا خدا کی توہین اس سے زیادہ کچھ اور ہو سکتی ہے؟ لیکن کیا کیجئے :

بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

جی ہاں' اب اچھا ہوں لیکن زندگی بدمزگی سے بسر ہو رہی ہے' اس لئے نہیں کہ اب "وھسکی" نہیں ملتی (بقولِ شجاعت) بلکہ صرف اس لئے کہ شاید میں اُن انقلابات کو نہ دیکھ سکوں گا' جنھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔!

آپ کے عتاب نامہ کا جواب صرف یہ سوال ہونا چاہیئے تھا کہ

درکشتنِ من ایں ہمہ بے باک چرائی!

لیکن جانتا ہوں کہ جب "ناز و غمزہ" کا مفہوم صرف "دشنہ و خنجر" رہ جائے تو پھر سوا شہید ہو جانے کے چارہ بھی کیا ہے!

منم کہ بر دل و دینِ خود اعتماد م ہست
بہ نیم غمزہ ، ہم ایں را ربائے دہم آں را

میں نے بہت کوشش کی کہ اپنے آپ کو "مجروح رادھی" سمجھ کر آپ کو اپنے یقین سے شرمندہ نہ ہونے دوں، لیکن اس کا کیا علاج کہ "نقل و روایت" سے دور اس مسئلہ میں اپنی رائے مجھے "نص قطعی" معلوم ہوتی ہے:

در خود نمی شناسم جز دوستی گناہے

تاہم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ محبت کو "درزشِ ایمان بالغیب" کیوں نہ قرار دیں، اس صورت میں کیا جبرئیل کو کبھی جھوٹا کہا جا سکتا ہے

باور کیجئے میرا مقصود یہ نہ تھا کہ خواہ مخواہ آپ کے دل میں کوئی ناروا خلش پیدا کر دوں، اور یہ بات میرے وہم و گمان میں نہ تھی کہ اتنی پختگی کے بعد بھی آپ میں اس قدر خامکاری باقی ہے، لیکن اگر میری تحریر سے آپ کو واقعی کوئی صدمہ پہونچا ہے، تو مجھے اس کا سخت افسوس ہے، معذرت چاہتا ہوں!

آپ از راہ شکایت پوچھتی ہیں کہ وہ قاعدۂ مہر و محبت کیا ہوا، اسکا جواب یہ ہے کہ

رسمے کہنے بود، بہ عہدِ تو بر افتاد

بولئے، کچھ اور فرمایئے گا؟
حیران ہوں کہ یونہی تو مہینوں خاموش رہنا، لیکن جب اس "گناہِ سکوت" کا

احساس ہو تو اس کی تلافی میں دوسرے کو اس طرح الزام دینا گویا آپ نگاہ سے بھی کبھی دور نہ ہوئی تھیں! "اللہ اللہ! چہ جال ست بدیں بوالعجبی!"
یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ یہی سننا چاہتی ہیں، آپ انھیں باتوں سے خوش ہوتی ہیں۔ آپ کی بڑی مسرت اسی میں ہے کہ آپ کی بے نیازی کو محسوس بھی کیا جائے اور اس کا ذکر بھی ہو، لیجئے، یہ فرض بھی ادا ہو گیا، اب کیا ارادہ ہے، وہی سکوت! وہی متبسم روگردانی! اور وہی
ناز برخویش و خود نمائی خویش!

کیا مہمل باتیں ہیں! پیر کنعاں کی طرح پیراہن پرستی چھوڑ دیئے یوسف یوں نہیں ملتا، اب ان کتابوں میں کیا رکھا ہے۔ انھیں دیمک اور خاک کیلئے وقف کیجئے اور آفتاب کی روشنی میں آفتاب کا مطالعہ کیجئے۔
کتنی مدت کے بعد تو دنیا کی آنکھ کھلی ہے اور آپ پھر اسے پرانے ہیری کا چڑھانا چاہتے ہیں۔ وہ زمانہ جب زمین چپٹی تھی اور آسمان اس کے چاروں طرف گھومتا تھا، ختم ہو چکا ہے۔ اب زمین گول ہے اور آپ بھی اس کے ساتھ گردش میں مصروف ہیں۔ کب تک جامد بنے رہئے گا!
میں ایک بات کہتا ہوں، اس زمانہ کی اور آپ اسکی سند ڈھونڈھتے ہیں، اب سے تیرہ سو برس پہلے کی کتابوں میں کوئی سنے گا تو کیا کہے گا، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ زمانہ آپ لوگوں کے زندہ رہنے کا نہیں ہے تو مر جایئے لیکن خدارا نئی زندگی پانے والی

نسل کی راہ میں موانع تو حائل نہ کیجئے!

عشق اگر مرد ست مردے تاب دیدار آورد
ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد دلبسیار آورد

قبلہ! خط پہونچا، آپ اپنے آپ کو ذرہ بمقدار کہتے ہیں، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو پھر

مہر جہاں تاب کجاست!

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نوع کا انکسار سخت گناہ ہے۔ آپکے اکتسابات سے اگر قوم استفادہ نہ کر سکی، تو کیا اسے قوم کی بدنصیبی نہ کہیں گے۔ آپ کو پس و پیش غالباً صرف اس لئے ہے کہ اہل مذہب آپ پر طعن کرینگے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا اور ان کا طعن کیا؟ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کے ہتھیار کتنے کند ہیں اور ــــ پھر ــــ اسی لئے تو میں آپ کو میدان میں بلاتا ہوں کہ آپ انھیں میں سے ہیں، اور آپ ہی کی شہادت اُن کے خلاف زیادہ کارگر ہوگی، مشکل یہ ہے اس گروہ میں آپ ہی تو ایک صاحبدل ملے ہیں! آپ ہی جی چرائیں گے تو کام کیونکر چلے گا۔ آپ اٹھئے تو سہی اس رسوائی میں بھی خاص لطف ہے!

محترمہ! مجید صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علیل ہیں، علالت کی تفصیل وہ بتا نہ سکے، تاہم اتنا پتہ ضرور چلا کہ اس کا تعلق "دل" سے ہے۔

چونکہ میں عورت کے دل (اور خصوصیت کے ساتھ "برہم دل") سے بہت گھبراتا ہوں، اس لئے زحمت نہ ہو تو مطلع فرمائیے کہ خدانخواستہ اختلاجی کیفیت تو نہیں ہے ـــــ جب میں علیل تھا تو آپ نے میرا حال پوچھا اور میں اچھا ہو گیا، اب آپ علیل ہیں اور میں پوچھ رہا ہوں، لیکن نتیجہ کی طرف سے غیر مطمئن!

خدا کرے آپ اپنے جواب سے میرے اس تذبذب کو دور کر سکیں۔ علی گڑھ کی آب و ہوا اگر لکھنؤ سے بہتر نہ ہوتی تو میں مشورہ دیتا کہ یہاں چلی آئیے، تاہم مقام کی تبدیلی کا اثر صحت پر ضرور پڑتا ہے، لکھنؤ نہ سہی، کہیں اور سہی!

قبلہ[1]! تعمیل ارشاد آپ کی کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں، لیکن آپ کو یہ سُنکر شاید افسوس ہو گا کہ میرے خیال میں مطلقاً کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ـــ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات اُن کے مطالعہ کے بعد آپ کے ہم خیال ہو گئے ہوں، مگر یہاں تو وہی کیفیت ہے

آتشے تیز ست و داماں می زنم!

حیرت ہے کہ آپ نے اب تک یہی نہیں سمجھا، میرا زاویۂ نگاہ کیا ہے؟

---

[1] (ایک احمدی دوست سے)

سوال "وجودِ باری" کا نہیں بلکہ اُس مخصوص تصور کا ہے جو اس کی آلہانہ شخصیت کے متعلق پیش کیا جاتا ہے۔ کسی ایسی قوت کا وجود تسلیم کرنا جو کائنات کے ظہور و نشو و نما کا باعث ہوئی ضروری ہے، خواہ اس کا نام کچھ ہو، لیکن اس قوت کو تمام اُن صفات سے متصف کرنا جو انسان کی جذباتی دنیا سے متعلق ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا!

انسان نے اپنے ابتدائی دور میں بھی جب وہ حیوانیت سے قریب تر تھا اس قوت کو تسلیم کیا، جب اس کے ذہن نے ترقی کر کے اصلاح معاشرت کے کچھ قوانین مرتب کئے اس وقت بھی وہ اس قوت کا معترف تھا اور اب بھی جبکہ انسان نے دنیا کے بہت سے عناصر پر قابو پالیا ہے، وہ اس قوت کا منکر نہیں ہے، مگر فرق یہ ہے کہ ابتدائی دور میں انسان نے اسے اپنے سے زیادہ قوی الجثہ سمجھ کر اس کے دیوپیکر بُت تیار کئے، دوسرے دور میں انسان نے اسے حد درجہ سریع الاحساس سمجھ کر اسے اپنا ہی جیسا ایک مغلوبِ جذبات انسان سمجھا اور اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُس قوت اور دنیا کے کاروبار میں صرف وہ تعلق ہے جو بجلی اور بجلی سے چلنے والی مشینوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

ان تینوں ادوار میں فی الحال درمیانی اور موجودہ دور زیر بحث ہیں اور وہ اسطرح کہ درمیانی دور میری سمجھ میں نہیں آتا، اور آخری آپ کی سمجھ سے باہر ہے، یہ تو ہوئی اصلی نزاع، لیکن آپ نے کبھی یہ بھی غور کیا کہ

یہ اُلجھن کیوں دور نہیں ہوتی؟ اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنی اور اپنے حریف کی پوزیشن کو سمجھ لیے۔

دوسرا فریق چونکہ کار و بارِ حیات اور اس کے نتائج کو صرف اپنے عمل سے متعلق سمجھتا ہے اور خدا کو بیچ میں نہیں ڈالتا، اس لئے اسے پروا نہیں، خواہ آپ خدا کو بُت سمجھیں یا انسان لیکن آپ چونکہ دُنیا و آخرت دونوں کی فلاح خدا ہی سے متعلق سمجھتے ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے خلاف کہتا ہے تو آپ کو حیرت بھی ہوتی ہے اور غصہ بھی آتا ہے (خیر، حیرت پر تو تعجب نہیں، لیکن غصہ کیوں آتا ہے، یہ بات سمجھنا مشکل ہے) بہر حال آپ کے طرزِ عمل سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ خدا کے تصور سے جتنا آپ کو تعلق ہے آپ کے حریف کو نہیں اور اس لئے آپ ہی کا یہ فرض ہے کہ آپ اپنے دعوے کو ثابت کریں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ بجائے اپنے دعوے ثابت کرنے کے آپ اپنے حریف کے عقائد کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اس میں اگر آپ کو کامیابی ہو بھی جائے تو اس سے آپ کے عقیدہ کی صحت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے، جبکہ نزاع "ہاں اور نہیں کی نہیں" بلکہ صرف تعبیر و تصور کی ہے!

یقیناً ہر وہ شخص جس نے نظام کائنات پر ذرا سا بھی غور کیا ہے، وہ کسی ایسی قوت کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو وجودِ کائنات کا باعث ہوئی، اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ کسی وقت دورِ جاہلیت میں منکرِ خدا پیدا ہو تو ہو تو ہوا ہو، لیکن اب وہ آپ کو کہیں نہیں ملسکتا ——— علم و عقل کی ترقی نے کچھ اور کیا ہو،

یا نہ کیا ہو، لیکن الحاد و انکار کو اس نے ضرور دُنیا سے محو کر دیا۔

یہ بات سنکر آپ کو شاید حیرت ہوگی، لیکن اگر آپ غور کریں گے تو ماننا پڑے گا کہ جس بات کو آپ "کفر و انکار" کہتے ہیں، وہ خدا کے وجود کا انکار نہیں، بلکہ آپ کی "تعبیرات" کا انکار ہے، اور خدا کی ذات غالباً میری آپ کی تعبیرات سے بہت بلند واقع ہوئی ہے۔

آپ تو بہت وسیع مطالعہ کے انسان ہیں، آپ نے یقیناً مفکرین اسلام کی کتابیں دیکھی ہوں گی، پھر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس خاص مسئلہ میں ان کی تصانیف کا ماحصل اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ "ماعرفناک حق معرفتک" اور کیا آج کل کے اہل علم کچھ اور کہتے ہیں۔

فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ آپ پر ایک مابعد الطبیعیاتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان پر "طبیعیاتی" یعنی آپ اس دنیا سے مایوس ہوکر دوسری دنیا کا خواب دیکھنے لگتے ہیں، اور وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ کر بتیایا بہ مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔

ختم نبوت کے مسئلہ میں، ایک حد تک میں آپ سے متفق ہوں، حیرت ہے کہ آپ اس سے وہ فایدہ نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہیئے۔ یعنی باوجود اس آزاد خیالی کے بھی آپ کی تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اپنی جماعت کے علاوہ آپ دوسری جماعت کے لوگوں سے ملنا جانتے ہی نہیں۔ آپ کی مسجد الگ، آپ کی نماز الگ، بلکہ آپ کی موت و زندگی بھی الگ ہے۔ حیرت ہے کہ

وہ جماعت جو ختم نبوت کی قائل نہ ہو اور اصلاح و ہدایت کے سلسلہ کو منقطع نہ سمجھے، وہ دوسروں سے اس طرح کٹ کر زندگی بسر کرتے کہ رشتہ ازدواج و مصاہرت سے بھی اسے دوسرے مسلمانوں سے گوارا نہ ہو!

انھیں باتوں کو دیکھکر بعض اوقات میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر نبوت کا اختتام آدم ہی پر مان لیا جاتا، اور اس کے بعد دوسرے پیغمبر نہ آتے، تو شاید نوع انسانی میں یہ تفریق نہ پیدا ہوتی اور بجائے عیسوی، موسوی، محمدی ہونے کے آج سب آدمی ہوتے!

جتنے نبی دنیا میں آئے، اتنی ہی تفریق بڑھی۔ مسلمانوں نے نبوت کا دروازہ بند کرکے اس تفریق میں مزید اضافہ کا سد باب کرنا چاہا تھا۔ لیکن آپ نے پھر اسے کھولدیا۔ مسلمانوں میں سنی، شیعہ، خارجی پہلے ہی سے موجود تھے۔ آپ نے ان میں احمدی کا بھی اضافہ کیا، اور اب شاید احمدی جماعت بھی محمودی و غیر محمودی دو حصوں میں منقسم ہوگئی ہے، آئندہ کی خبر نہیں، الغرض میری رائے میں ختم نبوت کے عقیدہ سے انحراف کرکے آپ نے نوع انسانی کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دی!

یہ درست ہے کہ آپ کے یہاں تنظیم اور باہمی ہمدردی بہت پائی جاتی ہے، اگر اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ آپ کے یہاں کوئی عمومی اخوت، کوئی عالمگیر انسانیت بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ آپ کہیں گے کہ "ہاں"، لیکن شاید اس شرط کے ساتھ کہ پہلے دنیا آپ کے مذہب کو قبول کرے! پھر یہ "مشروط"

اخوت تو اب بھی دنیا میں ہر جگہ رائج ہے۔ آپ نے کونسی نئی بات پیدا کی۔ اس باب میں بہائی طبقہ کو آپ پر زیادہ فضیلت حاصل ہے، ہر چند "عقاید" کے جھمیلے سے وہ بھی باہر نہیں، تاہم وہ اس پر زیادہ زور نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے "مابعدالطبیعیات" کو ترک نہ کرے گا۔ یہ منافرت دور نہ ہوگی، اور مذہب نام ہے صرف "مابعد الطبیعیات" کا اہل مذاہب کہتے ہیں کہ ترک مذہب کے بعد بھی دنیا میں امن و سکون قائم نہیں ہوسکتا، اور اس کے ثبوت میں وہ یورپ کی پچھلی اور موجودہ جنگ کو پیش کرتے ہیں۔ یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر دنیا میں مذہبی تفریق نہ ہوگی تو قومی تفریق ہوگی، ۔۔ خونریزی اگر مذہب کی وجہ سے نہ ہوگی، تو قومی اغراض کی وجہ سے ہوگی ۔۔ بظاہر یہ اعتراض درست معلوم ہوتا ہے، لیکن انھوں نے شاید غور نہیں کیا، کہ موجودہ قومی منافرت کی بنیاد بھی مذہب ہی ہے۔ یورپ کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ عیسوی مذہب کے عقیدتمندوں نے دنیا کی آبادی پر کچھ کم ظلم نہیں کئے۔ اور خود پروٹسٹنٹ اور کیتھولک جماعتوں میں بھی باہمد گر معمولی کشت و خون نہیں ہوا۔

پھر یہی قدیم مذہبی عناد تھا۔ جس نے بعد کو "قومی تفریق" کی صورت اختیار کرلی۔ اور یہ "اختلاف عقاید" ہی کا جھگڑا تھا۔ جس نے اول اول فساد کا بیج بویا۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا میں قیام امن و سکون کا مسئلہ اب بڑا مشکل

مسئلہ ہوگیا ہے'' اور اس پر غور کرنا ہر شخص کا فرض ہے ' لیکن اس گتھی کو سلجھانے کی صورت شاید یہ نہیں ہے کہ ساری دنیا احمدی ہو جائے ۔ ——————
مگر —————— نیازؔ ہی کیوں نہ ہو جائے !

محترمہ ! خط ملا اور بالکل خلاف توقع ' اس لئے غیر معمولی خوشی ہوئی ' لکھنؤ میں آپ کا قیام جسے آپ چھ دن کہتی ہیں ' اور میں اپنی نگاہ سے صرف ایک ساعت سمجھتا ہوں ' یقیناً بڑی خدا ساز بات تھی —— ایسی — کہ شاید اسکا اعادہ ممکن نہ ہو

ہر چند بھوپال میں میرے قیام کا زمانہ زیادہ خوشگوار ماضی سے تعلق نہیں رکھتا ' تاہم وہاں کی زمین میں بعض ایسی محبوب و مقدس ہستیاں مدفون ہیں ' کہ میں انھیں کبھی نہیں بھلا سکتا ۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ آخیر شوال میں حیدرآباد جاتے وقت ایک دن کے لئے وہاں ٹھہر جاؤں —— لیکن کیوں اور کس کی طلب پر ؟ —— یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی ۔

میرے متعلق بعض حضرات کے استفسار پر آپ نے یہ خوب کہا کہ "جس حقیقت سے میں خود واقف نہ ہوں ' دوسروں کو کیا بتا سکتی ہوں "——
کیونکہ اس سے کم از کم یہ تو معلوم ہی ہوگیا کہ

آگہی یار سے کہ آگہ نیستی از ما ہنوز !

" عدم علم " کا علم بھی بڑی بات ہے ۔

حضرت ! وحی و الہام کے جھگڑے میں آپ اب بھی مبتلا ہیں ؟ -
حالانکہ کشف، وحی، الہام، سب ایک ہی چیز ہیں، اور ان میں سوا اس کے کوئی فرق نہیں کہ مختلف لوگ اس کیفیت کو مختلف الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وحی انبیاء کے لیے مخصوص ہے اور کشف غیر انبیاء کے لئے الہام میں انبیاء و اولیاء دونوں مشترک ہیں۔ غالب کا ایک شعر یاد آ گیا :

شعرِ غالب نبود وحی و نگوئیم و لے !
تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست !

(یعنی غالب کا شعر وحی تو نہیں ہے اور نہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں، لیکن خدا کے لئے یہ تو نہ کہو کہ وہ الہام نہیں ہے)

غالب نے وحی و الہام کے اسی فرق کو پیش نظر رکھکر یہ شعر کہا ہے -

آج کل انگریزی کا ایک لفظ بہت استعمال ہو رہا ہے جس سے آپ بھی واقف ہوں گے۔ وہ لفظ "(Initiative)" ہے۔ وحی کو Inspiration کہتے ہیں۔ آپ ان دونوں کا فرق سمجھئے! ان میں بالکل ارادہ و عمل کا سا تعلق ہے۔ اس لئے ہر چند وحی یا الہام، مقدم چیز ہے، لیکن کام کی بات وہی (Initiative) یا اقدام ہے جس سے انبیاء کو کامیابی حاصل ہوئی -

اس لئے میری رائے میں "وحی و الہام" پر غور و فکر بے کار ہے، آپ کو تو جو کچھ کرنا ہے کر ڈالئے خواہ نتیجہ کچھ ہو-

غارِ حرا کا زمانہ ختم ہو گیا ہے لیکن بدر و حنین کا ہمیشہ باقی رہے گا۔
اس لئے "سربگریباں" نہ رہئے۔ بلکہ آستینیں چڑھایئے۔

عشق اگر مرد ست، مردے تابِ دیدار آورد
ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد!

بندہ نواز! مکرمت نامہ کل سبحان صاحب کے ذریعہ سے ملا۔ معلوم نہیں وہ کب واپس جائیں، اس لئے جواب ڈاک سے دے رہا ہوں۔ آپ نے جن تدابیر کا ذکر کیا ہے، وہ یقیناً ضروری ہیں، لیکن ہر ضروری بات پوری کب ہوتی ہے؟۔

میں آپ کے ساتھ دلی کیا "سرمن رائے" تک جانے کے لئے تیار ہوں، لیکن "مہدی موعود" کا بھی تو کہیں پتہ چلے؟ — آپ نے جن صاحب کے وعدوں پر اعتبار کیا ہے؟ آپ کو شاید خبر نہیں، وہ کیا چیز ہیں۔ آپ کی شناسائی ان سے صرف ایک مہینہ کی ہے۔ اور میں بیس سال سے اس عذاب میں مبتلا ہوں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیوں؟۔

اگر آپ کو اس کا یقین نہ آئے، تو انھیں ایک خط لکھئے، اور میرا ذکر کرتے ہوئے ان کو اطلاع دیجئے کہ فلاں شخص کے ساتھ آ رہا ہوں۔ اگر اس کے جواب میں وہ میرے ساتھ نہ لانے کی سو سے کم دلیلیں لکھیں تو انھیں سکا اعتبار کیجئے۔ ورنہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے صحیح سمجھئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا ذریعہ کیا ہے؟ آپ مانیں گے نہیں۔ ورنہ سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ خود بغیر کسی وساطت کے نواب صاحب سے ملئے — ملنے کی صورت میں پیدا کر دونگا — اور اگر آپ کی خودداری اس کی اجازت نہیں دیتی، تو پھر اس خیال ہی کو ترک کر دیجئے۔ کیونکہ کسی اور کو ذریعہ بنانا تو اس سے زیادہ گری ہوئی بات ہے!

محترمہ! خط کا جواب دینے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ معذرت خواہ ہوں۔ مجھے آپ کی تحریر ملنے سے پہلے ہی سارا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ آپ کو کیونکر تسلی دوں۔

آپ کو افسوس ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا، آپ کی توقع کے خلاف ہوا لیکن مجھے مسرت ہے کہ جو میں سمجھتا تھا وہی ہو کر رہا۔! میں پرانی داستان دہرا کر آپ کو زیادہ ملول و رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن گریہ و زاری میں سوا اس کے اور ہوتا ہی کیا؟۔

آپ نے اپنی نسوانی ضد سے کام لیا تھا۔ اب مرد کی بیمہری کا تجربہ کیجئے یہ کوئی نئی بات نہیں — ہمیشہ ہوا ہے اور ہوگا — آئندہ کے لئے کیا مشورہ دوں، جانتا ہوں آپ وہ بھی نہ مانیں گی — بہر حال اس وقت آپ کو فیض آباد چھوڑ دینا ضروری ہے، اگر آپ اپنے بھائی کے پاس الہ آباد جانا مناسب نہیں سمجھتیں تو یہاں چلی آئیے —

میرے پاس نہیں — بلکہ صفیہ کے پاس — پھر یہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔

مکرمی! جو کچھ ارشاد فرمایا، بالکل درست! لیکن نتیجہ معلوم!

خرمنے دارم و ترسم بجوے نستانی

آپ پر اعتماد نہ ہوگا تو کس پر ہوگا، لیکن اپنی "متاعِ کم ارز" پر اعتماد کیونکر پیدا کروں! وہ زمانہ جب صرف گنہگار "مستحقِ کرامت" سمجھے جاتے تھے۔ گزر چکا ہے؛ اب باندازۂ "استحقاق" "لطف و کرم" مفقود ہے!

پھر یہ کیا ضرور ہے کہ سب کچھ میری زندگی ہی میں ہو جائے — "ہمت و وسشِ عزیزاں" کا بھی تو امتحان ہونا چاہیئے۔ جب گدڑی اتاروں گا تو یہ لعل آپ ہی کی ملکیت ہوں گے، مطمئن رہیئے۔

جی ہاں، دیکھا، اور خوب دیکھا، اب آپ کیا پوچھتے ہیں، بس یوں سمجھئے:-

زموجِ گل بہاراں لبستہ زنار

بیں لبا اوقات سوچتا ہوں کہ جب احساسِ حسن روز بروز ضعیف ہوتا جاتا ہے تو حسن کی پیداوار کیوں بڑھتی جاتی ہے۔ پہلے کہیں صدیوں میں کوئی ایک لیلیٰ کوئی ایک شیریں، کوئی ایک دمن پیدا ہوتی تھی۔ اور اب یہ حال ہے

کہ جدھر دیکھئے

ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

لیکن ایمان و آگہی اور تمکین و ہوش کا سودا کرنے والا کوئی نہیں! غنیمت ہے کہ ایک آپ اِن "آوارگانِ غربت" پر رحم کرنے والے پیدا ہو گئے۔ ورنہ قیس و فرہاد کی نسل تو سمجھئے ختم ہی ہو چکی تھی۔

افسوس ہے کہ غریب قائم چل بسا ورنہ آپ کو دیکھتا تو وہ بھی شاید عشق ہی کرتا۔ اور یہ کبھی نہ کہتا کہ :-

"اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہیئے!"

حضرت! خط ملا، اور ساتھ ہی ساتھ فسانہ بھی۔ پڑھا اور بہت خوش ہوا۔ لیکن بُرا نہ مانئے تو عرض کروں کہ اب ہماری آپ کی فسانہ نگاری کا دور ختم ہو چکا ہے۔

پچھلے چند سال کے اندر جو انقلاب اس فن میں ہوا ہے اس کو نباہنے کے لئے جس آزادہ روی اور کھل کھیلنے کی ضرورت ہے۔ وہ ہمیں آپ کو نصیب نہیں!

اس سے قبل فسانہ نگاری نام تھا صرف خیال سے لذت اندوز ہونے کا، لیکن اب وہ عملی زندگی کی چیز ہے۔ پہلے صرف تصورسے کام

چل جاتا تھا، جس کے لئے مخصوص فرصت درکا تھی۔ اور اب معاملہ "حقایق" کا ہے جن کے لئے خاک چھاننا ضروری ہے۔ پھر اب "خاک بسر" رہنے کا زمانہ ہمارے آپ کے لئے کہاں؟ جو بساط آپ الٹ چکے ہیں۔ اس کو اپنے حال پر رہنے دیجئے۔ دوسری رنگ آمیزی کی ضرورت نہیں۔ "شادیہ" کی عظمت ان کی کہنگی ہی میں ہے ۔۔۔۔ "تاج محل" کبھی ڈرائنگ روم نہیں بن سکتا!۔

جی ہاں، اب اندوہ و الم بڑھنا ہی چاہئیے۔ لیکن اس کا غم کیوں؟

خار خارِ الم حسرت دیدار تو ہے
شوق، گل چینِ گلستانِ تسلی نہ سہی

"سر انگشت حنائی" میسر نہیں، نہ ہو۔

دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

میں تو اپنی ویرانیاں لے کر آپ کے پاس آنے والا تھا، مگر آپ مجھ سے زیادہ سوگوار نکلے "ملکر آہ وزاری" کرنے کا قایل نہیں ورنہ خیر، اسی مشغلہ میں کچھ جی بہلتا۔

یوسف کی صحت کچھ دنوں سے خراب ہے۔ لیکن نہ اتنی کہ آپکی پذیرائی نہ کرسکیں۔ ضرور جائیے۔ اور مجھے بھی چلنے پر مجبور کیجئے۔!

مکرمی! غالب کا جو شعر آپ نے لکھا ہے وہ میری رائے میں
ان اشعار میں سے نہیں ہے جنہیں آپ "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کہتے ہیں۔

پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے

کا رنگ اور ہے، اور اس شعر کا اور -!
اس میں تو محض استعارہ ہے اور وہ بھی بالکل غیر شاعرانہ لیکن
اس شعر میں باوجود تکلف و تصنع کے بڑی جان ہے۔ کہتا ہے:

مدعا محو تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

"آئینہ خانہ" سے جو پہلو ذم کا آپ نے پیدا کیا ہے وہ صریحی ظلم ہے۔
غالب کا مقصود یہ کہنا ہے کہ شکستِ دل کے بعد میری ایسی
حالت ہوئی گویا آئینہ خانہ میں پہونچ گیا ہوں۔ (کیونکہ دل آئینہ تھا
اور آئینہ کے ٹوٹنے کے بعد بہت سے چھوٹے چھوٹے آئینے پیدا ہو جاتے ہیں)
اس لئے اب مدعا و مقصود کا کوئی سوال ہی نہیں رہا اور وہ اسی تماشہ میں
گم ہو گیا ــــــ اس شعر میں خاص لطف یہ ہے کہ ضمناً گویا یہ بھی ظاہر
کر دیا گیا کہ شکستِ دل کے بعد تمنائیں بجائے ختم ہونے کے اور زیادہ
ہو گئیں، اور وہ اسی لئے کہ دل کا ہر ٹکڑا تمنا کا آئینہ بن گیا۔
چراغاں کے قافیہ کو غالب نے مطلع میں خوب لکھا ہے۔

جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

بہت پُر لطف بات ہے۔ نالہائے شرر بار سے "سیر چراغاں" پامال مضمون ہے
اس میں شک نہیں، غالبؔ کی یہ غزل بڑے معرکہ کی ہے۔ اور اس میں
زبان، معنویت، محاکات، ندرت اور جذبات سب کا بہت متوازن امتزاج
پایا جاتا ہے ــــ درمیان کے اگر چار شعر (آں ساماں، ویراں اور چار)
کے قافیے کے حذف کر دیئے جائیں، تو ساری غزل مرصع ہے۔

معنی نگارا! عطوفت نامہ جسے "پیام جاں بخش" کہنا زیادہ موزوں ہے
کل پہونچا۔ تمام رات سوچتا رہا کہ جواب سوا "شکریہ" کے اور کیا ہو سکتا ہے
لیکن یہ چیز میرے احساس اور آپ کے لطف و کرم کو دیکھتے ہوئے اتنی
فروتر ہے کم از کم میں تو جرأت کر نہیں سکتا۔

میری زندگی کی داستان اس قابل نہیں کہ آپ سنیں، اور اگر ہو بھی
تو اس سے زیادہ میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

رخ کشود و تہ دلب ہرزہ سرایم داوند!

مجھے نہیں معلوم کہ صوفیہ کے یہاں طے منازل و کشف حجابات کی
کیا صورت و ترتیب ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تو "لا الٰہ" کے ساتھ ہی
تمام پردے نگاہوں سے اٹھ گئے اور "الا اللہ" کہنے کی نوبت ہی نہ آئی

لوگ حقیقت کی جستجو "ہاں" میں کرتے ہیں اور میں "نہیں" میں
وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو "نفی ماسوا" تک پہونچتے ہیں۔ اور یہاں ابتدا ہوتی ہے

"نفی نفی" یا "ترکِ ترک" کی منزل ہے۔

یقیناً یہ سب لغو و مہمل باتیں ہیں، اور سوا مزخرفات کے کچھ نہیں۔ لیکن کیا کیا جائے طرّات "تقشف" کے جواب میں ان مہملاتِ "تصوف" سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔

آپ نے "زمانہ کی فرصت" کا ذکر کرکے میرے شوق میں اور زیادہ ہیجان پیدا کر دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ۔

عشق ہر جامی رود ما را بہ ساماں می برد

عمر کی ناپ سال و ماہ سے نہیں کی جاتی، بلکہ صرف ان چند ساعتوں سے جو "کسی کی یاد میں گزر جائیں" اور اس لحاظ سے مجھے کبھی زمانہ کیطرف سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

قدرت کا احسان ہے کہ:۔

دل جائے دیگر ست و نگہ جائے دیگر ست

کا گناہ مجھ سے کبھی سرزد نہیں ہوا، جو دیکھتا ہوں وہی سمجھتا ہوں، ———
دوسروں کی آنکھیں خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں، اگر ایک کو دو دیکھتی ہیں تو میرے کس کام کی؟

یہ آپ نے کیا غضب کیا کہ جو بات اُن سے نہ کہنے کی تھی وہی کہدی۔ کسی کا دشمن ہوکر تو میں دشمنی کا اظہار بر ملا کر سکتا ہوں، لیکن محبت کرنے

کے بعد میری زبان بالکل بند ہو جاتی ہے ـــــ نگاہوں کا ذکر نہیں۔
آپ کو خبر نہیں کہ اس سے قبل میرے ان کے معاملات میں کتنی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی ہیں اور میں نے کس صبر و تحمل کے ساتھ ان کی تمام کج ادائیوں کو برداشت کیا ہے۔ اب آپ نے ان میں اور اضافہ کر دیا۔!
میرا ارادہ تھا کہ انھیں ایک دن کے لئے بلاؤں گا، لیکن اب یہ بھی ممکن نہیں ـــ خود جانے کا سوال نہ اب ہے نہ پہلے کبھی تھا۔ اسلئے صورت صرف ایک رہجاتی ہے، وہ یہ کہ اس سچ کے ساتھ اب آپ ایک جھوٹ بھی بولیں۔ یعنی ان سے کہدیں کہ تقاضہ شدید تھا، اس لئے بھوپال چلا گیا ـــــــ اس سے زیادہ اگر وہ کچھ پوچھیں بھی تو کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں بے چینی کے ساتھ آپکے جواب کا انتظار کرونگا۔

کیوں صاحب!

گلہ ہے ہم سے کہ تم ضبط گریہ کر نہ سکے
ہنسی جب آ گئی تم کو کب اختیار رہا!

اس سے زیادہ بے کسی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب "ضبط نہ ہو سکنے" کا سوال پیدا ہوتا ہے تو میں اپنے گریہ کے مقابلہ میں آپ کی "ہنسی" کا حوالہ دینے کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے دُنیا اس کو صرف تفنن یا کھیل سمجھے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اس "کمیڈی" میں کیسی ٹریجیڈی

پنہاں ہے۔ آپ کے لئے نہیں، میرے — اور — اُن سب کے لئے جو محبت میں رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

آپ سے نہ اس سے قبل میں نے کبھی کوئی شکایت کی، اور نہ اب اس کی جرأت کر سکتا ہوں، لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ کے طرزِ عمل کی چھوٹی چھوٹی تاویلیں کر کر کے دل کو تسلیاں دینے کا حق کبھی مجھے حاصل نہیں — اُف!

نہ خوفِ آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دل دُکھانے والوں کا

شکایت نامہ کا اتنا پیارا جواب! گلۂ محبت پر یہ شرم و حجاب! قیامت ہے، قیامت!

تغافل کے گلے سن کر جھکا لیں تم نے کیوں آنکھیں
مرے شرمندہ کرنے کو ذرا بیباک ہونا تھا

میں آپ کی مجبوریوں سے واقف ہوں، لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ بغیر قصد و ارادہ کے آپ کس قدر خوبی کے ساتھ لوگوں کا دل دُکھا سکتی ہیں۔ پھر آپ وہ عذر کیوں پیش کریں، جو باوجود صحیح ہونے کے، دردِ دل کا مداوا نہیں ہو سکتا۔

آپ یہاں سے دہلی تشریف لے گئیں اور مجھے کوئی اطلاع نہیں

دی، وہاں سے علی گڈھ آئیں اور مجھے بے خبر رکھا گیا۔ پھر مراد آباد
دیرہ دون، اور خدا جانے کہاں کہاں پہونچیں، اور مجھ کو کوئی علم نہیں
یہاں تک کہ آپ کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی اور اب آپ کو ہوش آیا کہ
کوئی "نامرادانہ زیست کرنے والا" لکھنؤ میں بھی رہتا ہے۔!

میں نے عرض کیا کہ "ذرا تفصیل سے کام لیجئے" آپ نے اسکے
جواب میں صرف ایک "آہ سرد" سے کام لیا، اور خاموش ہو رہیں۔
یوں تو بظاہر اس تمام داستان میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو دنیا کے لئے
عجیب و غریب ہوتی۔ لیکن میرے لئے ـــــ اب کیا بتاؤں۔ یہ کیا تھا

ہزار دھیان کوٹالا خیال آہی گیا

آپ کو شاید یاد نہ ہوگا، لیکن میں وہ ساعت کبھی نہیں بھول سکتا۔
جب آپ میرے سامنے نگاہ جھکائے ایک پھول سے کھیل رہی تھیں، اور
میں خوش تھا کہ ـــ آج میں نے اپنا دل ــ "خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا"
پھر کیا ہوا ـــ اس کا مجھے بھی ہوش نہیں۔

بہر حال، اب کہ شوق و اجتناب کی تمام منزلیں ختم ہو کر ہم آپ
دونوں پھر اجنبی ہو چکے ہیں۔ زخموں کو تازہ کرنا مناسب نہیں۔

یہ سب درست کہ تم بت بھی ہو خدا بھی ہو!
مگر نیاز کے قابل یہ دل رہا بھی ہو!!

میں ۳ر اور ۴ر فروری کو رام پور میں تھا۔ آپ کا خط واپسی پر ملا۔ پہلے

ملجاتا تو شاید آپ سے قریب تر ہونے کا احساس مجھے حاضری پر مجبور کر دیتا۔
لیکن اب ممکن نہیں — خدا حافظ

بنا چلا راکھ کا ڈھیر میں، بجھا چلا دل کو لیکن
بہت دنوں تک دبی دبائی یہ آگ اے کارواں رہیگی

اگر آنکھیں کسی کو ہلاک کر سکتی ہیں تو سچ کہتا ہوں کہ تمھارے دست نے مجھے مار ڈالا۔ خدا کے لئے بتاؤ، ایسی آنکھیں کہاں پیدا ہوتی ہیں، وہ کونسی سرزمین ہے جہاں کی خاک میں ایسی "نرگس شہلا" نشو ونما پاتی ہے۔

تم سامنے نہیں لیکن میں سمجھ رہا ہوں کہ فرط مسرت سے اس وقت تمھارا کیا عالم ہوگا —— بیوقوف!

ہوش میں آؤ۔ ہر وہ چیز جو نگاہ سے گزرے دل میں جگہ پانے کے قابل نہیں ہوتی۔ ابھی تو صرف یہ کہکر خوش ہو لیتے ہو کہ "وحشت کرنا شیوہ ہے ان اچھی آنکھیں والوں کا" لیکن تمھاری طبیعت سے واقف ہوں اس لئے اُس وقت سے ڈرتا ہوں جب "دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں" کوئی فاصلہ باقی نہ رہے۔

زندگی کی راتوں میں روشنی "ٹوٹنے والے ستاروں" سے پیدا نہیں ہوتی، یہ "روشن لکیریں" محض فریب نظر ہیں اصلی چیز وہ ہے جسکا تعلق "نظارہ کن ز چاک کتاں ماہتاب را"

سے ہے۔ اُن آنکھوں سے جو تمھارے غم میں تمھارے ساتھ روتی ہیں۔ وہ نہیں جو صرف اس لئے مسکراتی ہیں کہ تمھاری اشکباری سے لطف اٹھائیں ــــ خیر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ لیکن اب اس "شہابِ ثاقب" کا ذکر تمھاری زبان سے نہ سنوں!

کیا بتاؤں، کس عالم میں ہوں، سادگی و نسیان کی حد ہو گئی :

یار در آغوش و نام او نمیدانیم چیست !

اور اگر یہ معلوم بھی ہو تو ظاہر کرنے کی جرأت کسے؟

میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

کس قدر جی چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ کہدوں جو آپ پوچھتی ہیں، لیکن ڈرتا ہوں کہ مبادا زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے، جسے آپ سننا تو چاہتی ہیں، لیکن کہنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔

"لیلیٰ اخیلیلہ" عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ اور خوبصورت بھی بہت تھی۔ ایک شاعر کو اس محبت ہو گئی۔ لیکن چونکہ عرب میں اسی سے شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس بدنصیب کو محبت ہو جائے۔ اس لئے وہ دیوانہ وار مارا مارا پھرتا اور اپنا بیانِ ہجوری اشعار کے ذریعہ سے اس تک پہونچاتا رہتا۔ ایکبار اس نے چند اشعار لکھکر اپنی محبوبہ کے پاس بھیجے جن کا مفہوم یہ تھا کہ "تم سے ازدواج ممکن نہیں لیکن وصل بہرحال ممکن ہے، پھر ایک ممکن بات کو چھوڑ کر ناممکن

بات کی کوشش کیوں کی جائے۔"

اس نے جواب دیا "افسوس ہے کہ تمھاری آرزو جو مجھے واقعی بہت عزیز ہے، کبھی پوری نہیں کر سکتی !"

اس وقت یہ واقعہ مجھے کیوں یاد آگیا۔ ٹھہر جائیے ـــــ "ذرا ہوش میں آلوں تو کہوں" !

قبلۂ مستمندان، غالب کا کلام اور آپ کا ذوق ! کون ہے جو اس اجتماع پر سر نہ دھنے گا۔ لیکن اپنی بے بصری کو کیا کروں۔ کہ غالب کے بعض وہی اشعار میری سمجھ میں نہیں آتے جو مشکل نہیں ہیں۔ الفاظ کے غلط استعمال سے پیدا ہونے والا اہمال تو غالب کے یہاں یقیناً نہیں ہے۔ لیکن انداز بیان کی الجھن سے "مدعا کا عنقا ہو جانا" اس کے یہاں ضرور پایا جاتا ہے۔ اور آپ نے جن اشعار کا انتخاب کیا ہے ان میں بعض اشعار اس قسم کے بھی ہیں۔ مثلاً ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو !!

بظاہر کتنا صاف اور سادہ شعر ہے۔ لیکن غالب کہنا کیا چاہتا ہے۔ میں تو سمجھ نہیں سکا۔ شاید آپ بتا سکیں۔

وہ غالبًا یہ کہنا چاہتا ہے کہ "نوا سنجانِ گلشن جو آزاد ہیں، گلشن میں

میرے وجود کو کیوں برا سمجھتے ہیں۔ جبکہ میں قفس میں ہوں، اور لطفِ چمن حاصل کرنے میں، میرا کوئی حصہ نہیں۔" لیکن سوال یہ ہے کہ شعر کا یہ ٹکڑا "گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو" اس مفہوم سے کیا تعلق رکھتا ہے۔

نوا سنجانِ گلشن کو اس کا وجود اسی لئے ناگوار ہے کہ وہ مصروفِ شیون رہتا ہے، اس لئے یقیناً قفس میں بھی اس کا رہنا انھیں گوارا نہ ہونا چاہیئے۔

ہاں، اگر وہ یہ کہتا کہ میں "قفس میں ہوں اور شیون سے معذور" تو البتہ دلیل معقول ہوتی، اور اس ٹکڑے سے کوئی مفہوم پیدا ہو سکتا۔

غالب پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں لیکن صحیح "نقد و انتخاب" کی گنجائش اب بھی بہت ہے۔

غالب صرف مومن ہی سے متاثر نہ ہوا تھا بلکہ شاہ نصیر اور ناسخ سے بھی۔ اور اس موضوع پر ابھی تک کسی نے دل کھول کر نہیں لکھا۔ آپ ہی اسکی ابتدا کیجئے۔ لیکن "پرستارِ غالب" کی حیثیت سے نہیں، "نقادِ سخن" کی حیثیت سے۔

دین پناہا! آپ سے جو ارادتمندی مجھے حاصل ہے، اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ میں سب کچھ دیکھتا اور خاموش رہتا، لیکن کیا کروں باغیانہ روح رکھتا ہوں، اور جب کبھی یہ کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو زبان پر قابو رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ہر چند ———— "مذہبِ عشق میں جائز نہیں ساماں کا ہوش"

لیکن خانماں بربادی بہر حال افسوس ناک امر ہے۔ کل رفیق کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ نے انھیں ہجرت کا حکم دیا ہے۔ ماں باپ کے وطن سے مرشد کے وطن کی طرف، اور وہ اس کے لئے بالکل آمادہ ہیں۔ معلوم نہیں یہ آزمائش ان کے خلوص کی ہے یا حماقت کی۔ اگر محض خلوص ہی مقصود ہو تو بھی اتنا بڑھا ہوا خلوص حماقت ہی کہلائے گا۔ جس کا الزام یقیناً آپ پر نہیں، بلکہ خود ان پر عاید ہوتا ہے!

میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپ ان کے صحیح حالات سے واقف نہیں ورنہ ایسا حکم نہ دیتے۔ آپ کی ارادت سے پہلے بھی وہ کوئی بڑے جفاکش انسان نہ تھے۔ اور طبعاً وہ اس طرف مایل تھے کہ کوئی انھیں بہانہ ملے اور گھر بار کا جوا گردن سے اتار پھینکیں۔ سوء اتفاق آپ مل گئے، اور آپ نے پنج وقتہ نماز کے ساتھ اور بھی بہت سی نمازیں مع بہت سے اوراد و وظائف کے ان پر عاید کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے۔ اور گھر میں خاک اڑنے لگی!

میں نے بلاکر انھیں سمجھایا، اور بمشکل تمام ایک جگہ ان کو نوکر کرادیا لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص محض نمازیں پڑھنے اور دلائل الخیرات کا ورد کرنے کی تنخواہ تو دے نہیں سکتا، یہاں سے بھی علیٰحدہ ہوئے اور محض اس خیال سے کہ ان کو بیوی بچے پریشان نہ کریں۔ آپ کے پاس چلے گئے مجھے نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ سے کیا کہا۔ غالباً یہی کہا ہوگا کہ "اب تو مکروہات

دُنیا سے جی بیزار ہے، کسی طرح اپنے ہی قدموں میں بلا لیجئے" اور آپ نے یہ سمجھ کر کہ اس طرح خدام کی صف میں ایک کا اضافہ اور ہو جائے گا، یا شاید محض دل شکنی کے خیال سے کہہ دیا کہ "بہتر ہے ترک وطن کر کے چلے آؤ" اور وہ اب ہجرت کے لئے اس قدر بے تاب ہیں کہ دُنیا کی کوئی قوت انھیں باز نہیں رکھ سکتی!

اس واقعہ سے گھر میں کہرام مچا ہوا ہے، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی ضعیف بیوہ ماں، بیمار بیوی اور چار کمسن بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ ہر چند وہ یہاں رہ کر بھی محنت سے جی چراتا ہے، تاہم کسی نہ کسی کام میں اُسے اہل محلہ لگائے رکھتے تھے۔ تاکہ شام تک وہ بقدر کفاف حاصل کر سکے۔ لیکن اب کیا ہوگا؟ - اس کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں!

مجھے یقین ہے کہ ان حالات کا علم ہونے کے بعد آپ کبھی یہ گوارا نہ فرمائیں گے کہ وہ ترکِ وطن کرے، میری خواہش تو یہی ہے کہ آپ اپنی ارادت کی گرفت سے اسے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیں ---- لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو حکم ہجرت ضرور منسوخ فرما دیجئے۔ اگر اس کی قسمت میں دوزخ ہی لکھی ہے تو آپ یا کوئی اور کیا کر سکتا ہے۔ میں اس خط کے جواب کا بے چینی کے ساتھ منتظر ہوں!

گرامی عزیزم! آپ کا ادبی ذوق اور اردو سے عشق دونوں مسلّم،

لیکن اس ذوق کی پختگی، اور اس عشق کی کامیابی کے لئے یہ ضرور نہیں کہ آپ صرف شعر گوئی کو نہائے نظر سمجھ لیں۔ سب سے پہلے آپ فارسی کی تکمیل کیجیے، (اسکول و کالج والی فارسی نہیں، بلکہ رسائل طغرا، بدر چاچ، ظہوری عرفی، بیدل اور غالب والی کلاسکل فارسی) اور اسی کے ساتھ عربی بھی اتنی سیکھ لیجئے کہ اس زبان کے الفاظ کا صحیح استعمال آپ کر سکیں، انگریزی آپ جانتے ہی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ آپ شعر اچھا کہنے لگیں، لیکن اُردو کی انشار پردازی آسان نہیں، اس کیلئے ذوق سے زیادہ اکتساب کی ضرورت ہے!

کرمی! یہ بالکل درست ہے کہ "ہر وہ بات جو مشہور ہو جائے صحیح نہیں ہوتی" اور ہماری انفرادی غلطیوں کا اجتماعی صورت اختیار کر لینا، اس میں شک نہیں بڑی افسوسناک بات ہے۔ آج خدا جانے کتنے مقدس مزار ایسے ہیں جن میں آج تک کوئی دفن ہی نہیں کیا گیا۔ اور تاریخ کی کتنی مشہور ہستیاں ایسی ہیں جو کبھی پیدا ہی نہ ہوئی تھیں۔ پھر اگر شاعری کی دنیا میں بھی یہ اندھیر نظر آئے، تو حیرت کی کیا بات ہے؟۔

اس میں شک نہیں کہ جرأت پر صرف بازاری شاعر ہونے کا الزام یقیناً غلط ہے، اور اس کے ثبوت میں جس قسم کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں اُن سے زیادہ عریاں میر کے یہاں بھی ہیں۔ مگر میر کو کوئی کچھ نہیں کہتا!

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس بدنامی کا تعلق اُس زمانہ سے ہے جب دربارداری کے سلسلہ میں انشاؔ و جرأتؔ کے دو اکھاڑے لکھنؤ میں قایم ہو گئے تھے۔ اور ہر فریق دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے گندگی اُچھال رہا تھا۔ اسی مسخرہ پن نے انشاؔ کو اس کے اصلی مرتبہ تک پہونچنے سے روکا، اور جرأتؔ کو بدنام کیا، لوگ جرأتؔ و انشاؔر کا مقابلہ کرنے میں انشاؔر کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہجو و طنز کے لحاظ سے یہ فیصلہ صحیح ہو، لیکن غزل گوئی کے لحاظ سے اس کو جرأتؔ سے کوئی نسبت نہ تھی۔

اول تو انشاؔر کا سرمایۂ تغزل بہت کم ہے اور جو ہے بھی اس میں بہت کم اشعار قابل انتخاب نظر آتے ہیں۔ برخلاف اس کے جرأتؔ کے دواوین کی تعداد تو بتائی جاتی ہے، اور ان میں اتنے اچھے اشعار پائے جاتے ہیں کہ سخت انتخاب کے بعد بھی دیوان انشاؔر سے کئی گنا زیادہ اس کا حجم ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جرأتؔ کے یہاں شوخی و عُریانی بھی پائی جاتی ہے، اور انھوں نے معاملاتِ حسن و عشق کے بیان میں ادنیٰ قسم کے شہوانی و جنسی جذبات سے بھی کام لیا ہے۔ لیکن یہ غالباً جرأتؔ کا اصلی رنگ نہ تھا، اور صرف اس عارضی ماحول کا نتیجہ تھا جو لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

میرے پاس تو اس کے دواوین نہیں ہیں۔ اگر آپ کے پاس ہوں تو تمام وہ اشعار جنھیں عریاں کہا جا سکتا ہے، چھانٹ لیجئے۔ اور مجھے بتلائیے کتنے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ سَو دو سَو ہوں گے، برخلاف

اس کے دوسرے رنگ کے اشعار جن میں میر کا سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے بہت زیادہ تعداد میں نظر آئیں گے۔

حیرت کی بات ہے کہ جرأت کے ان اشعار کا ذکر تو ہر جگہ ہے :-

دیکھا تو یوں وہ کہنے لگے منھ کو ڈھانپنے کمبخت پھر لگا مجھے نظروں میں بھانپنے

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا چمپئی رنگ اس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا

لیکن ان شعروں کا ذکر کوئی نہیں کرتا :-

ترے بن دیکھے جرأت کی یہ حالت ہو گئی غم سے کہ اپنے سے تو اسکو پھر نظر دیکھا نہیں جاتا

کیا طبیعت ہے اداس اب، سچ ہے اے جرأت یہ بات

جی کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

اب تو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی میری بے تابی جو اس بیدرد کو بھانے لگی

یہ نہ کہہ یاد آئی کسکی، جو کلیجہ پر مرے سانس کے لینے میں اک برچھی سی لگ جانے لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیونکر! جس کو پایا ہو جان کھو کھو کے!!

کل جو بیٹھا پاس میں یکجا ترے ہمنام کے رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجہ تھام کے

نہ کوئی دوست، نہ مہرباں، نہ شفیق ہے نہ رفیق یاں

کریں کس سے ہم غم دل بیاں جو سخن کے تھے شنوا، گئے

مجھے جرأت اب نہیں کچھ خبر، گئے عقل و ہوش و خرد کدھر

یہ مرے پیامبر آن کر مجھے کیا پیام سنا گئے

جب تلک کہ تھے یہ نہ کو واسکا مجھ سے لوگ، جی ہی میں کچھ سوچا کیا میں اور دل دھڑکا کیا :

قفس میں ہمصفیرو کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تھا رہنے والا اس گلستاں کا

کیا اس عشق کی وحشت نے کیا دیوانہ جرأت کو
عجب احوال ہم نے دیکھا کل اس خانہ ویراں کا

واں سے آیا ہے جواب خط، کوئی سینو ذرا
میں نہیں ہوں آپ میں مجھ سے نہ سمجھا جائے گا

شکر تم آ گئے گر اس کے نہیں جرأت نے
سر اٹھا کر ابھی دیوار سے مارا ہوتا!

آج اس کوچہ میں کیا جا کے تو سن آیا ہے
جرأت ایسا تو کبھی آ کے تو خاموش نہ تھا

آج کی رات کٹے دیکھئے کس شکل سے آہ
اس نے پھر وعدۂ دیدار سحر پر رکھا

ناصحو آپ میں جرأت نہ رہا اب سمجھ کر اسے سمجھائے گا

اپنے پہلو سے وہ جب اٹھ کے چلا اے جرأت
اس کا منہ دیکھ کے بس رہ گئے مجبور سے ہم

ہے وقت خوش انھوں کا کیا لطف ہمدگر ہیں
دل جن کے مل رہے ہیں اور پاس پاس گھر ہیں

جرأت کے بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ میر کے رنگ کا دلدادہ تھا

اور اسی رنگ میں شعر کہنا کمالِ تغزل جانتا تھا، چنانچہ ایک غزل میں کہتا ہے:

جرأت، جواب میرؔ تو ایسا ہی کہہ کہ اب چاروں طرف سے شور سنے واہ واہ کا

پھر اسی زمین میں دوسری غزل کہکر اسے یوں ختم کرتا ہے:

آوارہ دربدر ہوں میں جرأت بقولِ میرؔ "خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا"

اگر اسی سلسلہ میں اس کے اُستاد حسرتؔ کو بھی لے لیں تو کیا کہنا !

اس کے بھی شاید دو دیوان تھے، لیکن اب وہ نہیں ملتے ؛

ذکر آیا گیا، تو چند اشعار سُن لیجئے :

خدا حافظ ہے کیوں محفل میں اس کا نام آیا تھا

تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا

اسی زمین کا ایک شعر سنئے، کیا قیامت ہے :

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں

گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا کاہے تو جیئے گا، کاہے کو جی رہے گا

رہنے دے دے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے قسمت میں جسکے ہوگا، سو جام پی رہے گا

بھولتا ہی نہیں وہ، دل سے اُسے ہم نے سو سو طرح بُھلا دیکھا

پٹکنے دے مجھے سر اسکے آستانے سے خبر کروں ہوں میں اپنی اسی بہانے سے

سراغ پوچھوں میں کیا اشکِ آہ کا دل سے کہ اس دیار سے کتنے ہی قافلے نکلے !

جگر کے زخموں کو جاتا تھا بھر چلے حسرتؔ خراشِ ناخنِ غم سے وہ سب چھپلے نکلے

آخر ترے غم میں مر گئے ہم ـــ بھرنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
تیر اتو تب اعتبار کیجئے ـــ جب ہوئے کچھ اعتبار اپنا

ہر چند یہ زمانہ اب غزلوں پر سر دھنے کا نہیں ہے، لیکن ہم آپ اس زمانہ کے ہیں کب؟ ہم آپ تو جب مل بیٹھیں گے، ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرینگے، اوروں کے لئے نہیں، اپنے لئے۔ جب کوئی غیر اس صحبت میں آجائے گا، تو ـــــــ سنبھل بیٹھیں گے۔

ایک لطیفہ یاد آگیا، سن لیجئے۔ "دو سر پھرے آپس میں بیٹھے ہوئے نہایت مزے کی بہکی بہکی باتیں کر رہے تھے۔ کہ ایک تیسرا شخص اور آتا ہوا دکھائی دیا۔ جو اُن کے ذوق صحبت کا نہ تھا۔ انھوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور بولے کہ ـــ "آؤ اب سمجھ کی باتیں کریں، ایک بیوقوف آرہا ہے"

مرزا جی! آپ تو خیر اچھے ہی ہیں! لیکن یقین کیجئے میں بھی بہت اچھا آدمی ہوں، آپ کہیں کے "اچھا" کسے کہتے ہیں۔ میں پوچھوں گا "آدمی کیسا ہوتا ہے" آپ جواب دیں گے "آدمی ایسا، جیسا میں" میں کہوں گا " اچھا بھی ویسا ہی جیسا میں"! ـــ مدعا یہ کہ آپ جس الجھن میں گرفتار ہیں وہ نہ منطق سے دور ہو سکتی ہے اور نہ تحریر و گفتگو سے ـــ اس لئے حرج نہ ہو تو چند دن کے لئے چلے آیئے اور خود مجھے دیکھ کر، سمجھ کر فیصلہ کیجئے

کہ میں واقعی اچھا ہوں یا بُرا۔ لیکن یہ ابھی سے عرض کئے دیتا ہوں کہ اگر
مطالعہ کے بعد آپ نے مجھے اچھا نہ سمجھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔
سنئے، میں آپ کو خود بتائے دیتا ہوں کہ مجھ میں کیا کیا بُرائیاں
ہیں، بھلائی صرف ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کے شمار کی ضرورت نہیں،
سب سے پہلی بُرائی تو یہ ہے کہ میں انسان کو دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں کہ
یہ واقعی انسان ہے، یا نہیں، اور اگر کسی کے غیر انسان ہونے کا فیصلہ
کر لیتا ہوں تو پھر کھلی ہوئی بد اخلاقی بھی مجھ سے بعید نہیں،

انسان کا معیار میرے یہاں نہ صورت و شکل سے متعلق ہے نہ
علم و فضل سے بلکہ صرف اس امر سے کہ وہ اپنی سیرت و فطرت کے
لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ دوسرا عیب مجھ میں یہ ہے کہ گفتگو
میں شائستگی کو ضروری سمجھتا ہوں، اور انتہائی بے تکلفی میں بھی نہ تم سے
خطاب کرتا ہوں، نہ سننا چاہتا ہوں، تیسری بُرائی یہ ہے کہ باوجود
میلانِ اشتراکیت کے "فرقِ مراتب" کو ضروری قرار دیتا ہوں، چوتھی
بُرائی یہ ہے کہ بلید احساس والے انسان سے ملنا کبھی پسند نہیں کرتا
یعنی اگر کوئی شخص میری نگاہوں سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں کیا چاہتا
ہوں، تو پھر میں اس کے لئے پتھر کا بت بن جاتا ہوں، پانچواں عیب
یہ ہے کہ جب کوئی شخص میرے پاس بیٹھ کر سگریٹ، سگار، حقہ پیتا ہے
درانحالیکہ اسے یہ علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے سخت نفرت ہے،

(بیڑی پینے والوں کا تو خیر کوئی ذکر ہی نہیں، ان کا شمار تو میں انسانوں میں کرتا ہی نہیں) تو مجھے وہ شخص بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی میرے دفتر یا مکان میں کوڑا پھیلائے یا چیزوں میں بدترتیبی پیدا کر دے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مجھ سے نہیں نبھے گی۔

اگر آپ کہیں کہ یہ تو سب خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، تو پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ، میری ذات بے عیب ہے ———————

——— گو خدا نہیں ہوں میں

جو تم نے انھیں لکھا، وہی میں نے بھی لکھا،

معنی سب کے سست، اگرچہ عبارت مگر رست،

پھر یہ بات کیا کہ تم ٹھیک اور میں غلط۔ تم سے نہیں۔ اُن سے پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ پھر نہ کہہ دیں "تم کون؟" سوال نہ خودداری کا ہے نہ غرض کا، بلکہ ایثار کا ——— اس لئے خاموش نہیں رہا جاتا ——— ان کا خط ملفوف ہے، پڑھکر واپس کر دو۔ میں نے ابھی تک جواب نہیں لکھا، اور نہ ارادہ ہے۔ تمھاری ہدایت کا منتظر ہوں۔

عتاب نامہ ملا! حالانکہ مجھے سب سے زیادہ پیار آپ کے غصہ ہی پر آتا ہے، اور مجھے افسوس ہوگا، اگر یہ جاننے کے بعد آپ نے مجھے

لڑنا چھوڑ دیا!

منم کہ شکر جفا از وفا زیادہ کنم
اگر ستم نکنی بر چنیں کسے ستم ست

میری آپ کی لڑائی، موجودہ جنگ سے پہلے کی چیز ہے، اس لئے آپ نئی چالوں سے کام نہ لیجئے۔ کیونکہ جدید فن حرب کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ اس میں جیتنے والا بھی ہار میں رہتا ہے، اور آپ کی ہار خود مجھے بھی گوارا نہیں!

میں یقیناً قابل سرزنش ہوں، اور دنیا میں سبھی "نیازمند" ایسے ہوتے ہیں لیکن "خداوندی" کی جو نئی راہیں آپ نے اختیار کی ہیں، وہ کس حد تک "لایق نیایش" ہیں، کبھی آپ نے یہ بھی سوچا؟

اب آپ جو چاہے کہئے! لیکن اس سے غالباً آپ کو بھی انکار نہ ہوگا، کہ جن کی حمایت میں آپ نے مجھے موردِ عتاب بنایا ہے، اُن کے متعلق میرا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ:

قطرۂ بو دست و بحر بیکرانش کردہ ام!

پھر مجھے اُن کے دعوائے "انا البحر" پر تو اعتراض نہیں، لیکن وہ اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی "انا الشرق" کہنے والا بھی موجود ہے، آپ اس سلسلہ میں "یاس و امید" کی بحث نہ چھیڑیے گا۔ کیونکہ توقع سے حرکت اور مایوسی سے جمود کا میں قایل نہیں۔ میں دوسرے

کے احسان کو برداشت کروں یا نہ کروں، لیکن خود جو کچھ کرتا ہوں وہ "خیالِ مُزد" سے بلند ہوتا ہے، یعنی باوجود سراپا نیاز ہونے کے حد درجہ بے نیاز اور باوجود "بندہ" ہونے کے سخت "خدا" واقع ہوا ہوں۔ اس لئے مجھے سامنے رکھکر فیصلہ نہ کیجئے، کسی اور کو لیجئے۔ اور سوچئے کہ وہ کیا کہے گا۔ یہ احساس مجھ میں نہیں، اوروں میں تو ہے۔

ایں نشۂ بمن نیست اگر، باو گرے ہست!

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ کیا عرض کروں، کتنی مسرت ہوئی ہے یہ سنکر کہ اقبال میاں ولایت سے کامیاب واپس آئے۔ آپ سے نہیں — اُن سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب کیا ارادہ ہے۔ منزل کہاں۔ ابھی تو صرف سامانِ سفر مہیا ہوا ہے، اور اب وقت سوچنے کا ہے کہ کونسا راستہ سیدھا ہو ملازمت چاہے کیسی ہی ہو، بہرحال چاکری ہے، اور انسانی خودداری کے منافی، اس لئے اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ رہی پریکٹس، سو اسکے لئے ایک بار پوری طرح غور کرکے جگہ مقرر کر لینا چاہئیے۔ اور پھر یہ عہد کہ وہاں سے قدم نہیں ہٹانا — ماشاءاللہ، وہ خود اچھی بصیرت رکھتے ہیں، اور میری آپ کی نصیحت سے بے نیاز، تاہم بڑوں کو اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے خواہ مخواہ دخل در معقولات کرنا ہی پڑتی ہے۔

میں نے پہلے بھی لکھنؤ تجویز کیا تھا، اور اب بھی اسی رائے پر قایم

ہوں، خاک از تودۂ کلاں بردار! یہاں اول اول یقیناً طبیعت الجھے گی۔ اور لوگوں پر اپنی اہلیت ثابت کرنے کے لئے کافی زمانہ درکار ہوگا لیکن سال دو سال کے بعد جو راہیں یہاں نکلیں گی۔ وہ چھوٹی جگہ میں عمر بسر کرنے کے بعد بھی نہیں نکل سکتیں۔ شناوری کا لطف سمندر ہی میں ہے، تالابوں میں نہیں!

میں اُن سے دیکھنے کے لئے بھی بے تاب ہوں! ذہن میں اُن کے خط وخال کے نقشے بنا بنا کر بگاڑ رہا ہوں، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ انھیں آپ کا بیٹا قرار دوں، یا اپنا بھتیجا۔ میں تو سفر کی موجودہ مشکلات برداشت کرنے کا اہل نہیں مگر وہ تو ماشاء اللہ نوجوان ہیں، کہیے کہ ایک دن کیلئے ہو جائیں!

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کبھی کوئی روشن ستارہ ٹوٹ کر غائب ہو جاتا ہے، تو آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے عجیب قسم کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ بالکل یہی حالت آپ کی "پرستش گاہ گاہ" سے بھی ہوتی ہے۔ جس وقت آپ کا خط آتا ہے تو ساری دنیا مجھے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اور جب آپ سکوت اختیار کر لیتی ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کی تمام تابناکیاں آپ نے کھینچ کر اپنی مٹھی میں بند کر لی ہیں۔ آج کل میں اسی احساس سے گزر رہا ہوں، اور سوائے تاریکی کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ اب سے چھ مہینے قبل آپ نے مسلسل کئی خطوں سے مجھ پر سے

"بارشِ لطف و کرم" شروع کی، تو میں اس کی لذت میں اتنا کھو گیا کہ "خشک سالی" کا خیال تک ذہن میں نہ آتا تھا، لیکن جب اُس کے بعد دفعتاً آپ نے خاموشی اختیار کی، تو میں چونکا اور سمجھا کہ:

موجِ آبِ زندگی برقِ سرابے بیش نیست

یعنی "سراب" نہیں، بلکہ صرف "جلوۂ سراب" اور وہ بھی اتنا گریز پا کہ اسے "برقِ سراب" سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے!

میں اس دوران میں رامپور گیا، تو معلوم ہوا کہ آپ بمبئی میں ہیں، خیال کیا کہ بمبئی پہونچوں، لیکن ڈرا کہ وہاں پہونچکر کہیں یہ نہ معلوم ہو کہ آپ بمبئی سے مکہ چلی گئیں۔ پھر میں کیا کروں گا، کیونکہ آپ اگر وہاں ہوں گی تو "کبوترِ بامِ حرم" ہوں گی، اور مجھے اپنے "رشتہ بر پا" ہونے کا حال معلوم ہے!

آج کل آپ کہاں ہیں، کچھ خبر نہیں، اس لئے دامپور ہی کے پتہ سے خط لکھ رہا ہوں، اور اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا کہ کبھی کبھی آپ کے ہاتھ کی تحریر نگاہ سے گذرتی رہے، اس سے کچھ اور فائدہ ہو یا نہ ہو، لیکن یہ کیا کم ہے کہ:

دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی!

فراموشکارمن! زمانہ آپ کا مبتلا ہو یا نہ ہو، لیکن میں ضرور ہوں،

شکایت اس لئے نہیں کرتا کہ یہ خلش نہ رہی تو کوئی دوسرا آزار مول لیلوں گا، اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ اذیت کا باعث ہو!

میں آپ کی زندگی کے ہر انقلاب سے آگاہ ہوں، لیکن کوئی ایسا انقلاب جو آپ کو اپنے پرستارانِ قدیم سے قطع تعلق پر مجبور کر دے، میرے سامنے نہیں ــــ خدا کرے کوئی سبب ایسا ہو، اور میں اس پر یقین کر کے مطمئن ہو سکوں

آپ پچھلے سال کانپور تک آئے، اور مجھ سے ملے بغیر چلے گئے، آپ کہتے ہیں، ایک ضروری تار گھر سے آیا، اور فوراً واپس جانا پڑا، تسلیم!ــــ اپریل میں آپ لکھنؤ سے ہوتے ہوئے بریلی گئے اور مجھ سے نہ ملے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وقت بالکل نہ تھا۔ اور عرس کی شرکت ضروری تھی۔ یہ بھی تسلیم! واپسی پر آپ پھر اسی طرف سے گزرے اور مجھے اطلاع نہ دی۔ وجہ یہ کہ دفعتاً آپ تپ میں مبتلا ہو گئے، اور تار دینے کا موقع بھی نہ ملا! یہ عذر بھی تسلیم!ــــ لیکن اس کا کیا جواب کہ آپ پچھلے مہینے لکھنؤ آئے، پورے ایک ہفتہ قیام کر کے یہاں کی ایک ایک گلی کی خاک چھانی اور مجھے خبر نہیں! کہہ دیجئے کہ سب جھوٹ ہے، یقین نہ کروں گا، تو کر ہی کیا لوں گا؟

یہ سب کچھ میں نے اس لئے ظاہر کیا کہ آپ اس سے بیخبر نہ رہیں کہ میں آپ کے حالات سے کتنا باخبر ہوں، ورنہ یوں اب شکوہ و شکایت کیا، اور ہو بھی تو کیوں؟ !ــ

ماسبتی از بزم طرب بخت ندا ریم !
تہمت بہ خم و بادہ و ساغر نتواں بست !

محترمہ، نوازش نامہ کا شکریہ! لیکن پرسشِ حال کے جواب میں سوا اس کے کیا عرض کر سکتا ہوں کہ :

حال می پرسی و ما را گفتگو با کم شدست !
بسکہ بر ہم خوردہ دلہا، آرزو ہا کم شدست !

آرزوؤں کا کم ہو جانا برا نہیں، لیکن اس کمی کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں، ایک وہ جو آپ کو حاصل ہے یعنی جو آرزو پیدا ہو وہ پوری ہو کر رہے، اور دوسری وہ جو میری مقسوم ہے، یعنی ہر آرزو کا اپنے ساتھ ناکامی کے اسباب لیکر پیدا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آرزوؤں کی کمی اس طرح بھی ہوگی، لیکن ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

غالبؔ نے ایک جگہ اس کیفیت کو یوں ظاہر کیا ہے:

شق ہو گیا ہے سینہ، خوشا لذتِ فراغ !
تکلیفِ پردہ داری زخمِ جگر گئی ! !

لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ فراغ و سکون کبھی "زہر خند" کی نوعیت کا ہوا کرتا ہے، ایک مایوس و غیور انسان اس کی تاویل کبھی یوں بھی کر لیتا ہے کہ :—

ما را ہنوز عربدہ با خویشتن بےست

مگر دل چیر کر دیکھیے تو پتہ چلے کہ:

دارد تفاوت آب شدن تا گریستن!

آپ کہیں گی یہ کیا قصہ لے کر بیٹھ گیا، لیکن کیا کروں، آپ کے علاوہ کوئی اور اس کے سننے کا اہل بھی تو نہیں، بیشک مارچ کے بعد مجھے حاضری کا موقعہ نہ مل سکا، لیکن سوال یہ ہے کہ آپ ہی نے کب یاد کیا۔

مکرمی! آپ کا فرمانا درست ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شعر فہمی کا سلیقہ ترکِ شعر گوئی کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے، ایک شاعر جب تک وہ شاعر ہے، بندۂ فریب ہے، اور اس کے سامنے جادہ و منزل کا سوال ہی نہیں۔ دوسرے دیکھتے ہیں، اور ہنستے ہیں، لیکن جب وہ یہ مشغلہ ترک کرنے کے بعد خود تماشائی بن جاتا ہے، تو اسے پتہ چلتا ہے کہ جس چیز کو وہ شاعری سمجھتا تھا، اس میں کتنی غیر شاعرانہ باتیں شامل تھیں

میں آج کل اسی دور سے گزر رہا ہوں، آپ کو اصرار ہے کہ میں اپنا کلام شایع کر دوں، اور میرا یہ ارادہ ہے کہ جو کچھ موجود ہے اُسے بھی تلف کر دوں۔ جس وقت کہتا تھا نگاہ نہ تھی اور جب نگاہ پیدا ہوئی تو زبان کو یارائے گفتگو نہ رہا۔ تاہم آئندہ جنوری میں غزلوں اور نظموں کے انتخاب کے وقت یہ تلخ گھونٹ گوارا کرنا ہی پڑیگا۔ مطمئن رہیے۔

میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ آپ کے خط کا جواب دینے میں اتنی غیر معمولی تاخیر ہوئی، پہلے یہ سن لیجئے کہ تاخیر کا باعث کیا تھا۔ چونکہ آپ کا خط اتنا جواب طلب نہ تھا، جتنا تعمیل طلب، اس لئے سوچ رہا تھا کہ جب تک کچھ نہ کر لوں، کہوں کیا؟ پورا ایک ہفتہ تو اس زاویہ کی جستجو میں صرف ہو گیا۔ جہاں سے قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے ہفتہ یہ شرم دامنگیر ہوئی کہ آپ کو ناکامی کی اطلاع کیا دوں۔ خدا خدا کر کے تیسرے ہفتے از خود بعض اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ بجائے اس کے کہ میں خود وہاں جاتا، خود انھیں کو میرے پاس ایک ضرورت سے آنا پڑا۔

آخرکار کافی تمہید کے بعد میں نے اس مسئلہ پر اُن سے گفتگو شروع کی، اور وہ بہ مشکل اس بات پر راضی ہو گئے کہ تحریک سب سے پہلے آپ کی طرف سے ہو، اب جو ارشاد ہو تعمیل کی جائے!

قبلۂ مستنداں!

عنایت نامہ، کئی دن ہوئے، باجرہ افروز ہوا تھا۔ لیکن بعض الجھنوں کی وجہ سے جن کا ذکر ضروری نہیں، جلد جواب نہ دے سکا— بہر حال عذر معقول ہو یا نامعقول! امید ہے کہ آپ عفو و درگذر سے کام لیں گے!

آپ نے جن باتوں کا تفصیلی جواب مجھ سے چاہا ہے، اُن کے سمجھنے کے لئے بھی فی الحال تیار نہیں۔ دوسروں کو سمجھانا کیسا۔ انسان پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب وہ حجت و استدلال سے گھبرا کر انتہائی احمقانہ بات تسلیم کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے ''اور آج کل میں اسی حال سے گزر رہا ہوں، اس کو ذہنی خودکشی کہئے، یا اضمحلال قواء، بہر حال یہ واقعہ ہے، اور آپ سے چھپانے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ آپ کو میں نے ہمیشہ انتہائی کمزوری و مجبوری کی حالت ہی میں دوسروں پر زیادہ مہربان پایا ہے۔

یقیناً ذاتِ خداوندی سے ہر شخص کو توقع رکھنا چاہیئے، لیکن توقع کبھی تو ٹھکانے کی ہو، محض خس کی فراہمی کا نام تو "آشیانہ" نہیں'' اور

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

بہار میں پھولوں کی کثرت کو دیکھوں یا اپنی کوتاہ دامنی کو:

کمند کوتہ و بازوئے سُست و بام بلند
بمن حوالہ د نومیدیم گنہ گیرند !

یہ تو جواب ہوا اُس "دفترِ تدبیر و مصلحت" کا جو آپ نے مخصوص میرے لئے قلمبند فرمایا تھا۔ اب رہ گئیں وہ دوسری باتیں، سو اُن کے متعلق ابھی حذر پیش کر چکا ہوں۔

ممکن ہے کسی وقت تعمیل ارشاد کر سکوں، فی الحال یہ تو کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے!

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم !

آپ کہیں گی اس کی کیا ضرورت ہے، لیکن اسی کے ساتھ
یہ بھی تو کہیئے :-

مشّاطہ را بگو کہ بر اسباب حُسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشہ بما رسد

انسان فطرتاً بُت پرست ہے، اور بُت پرستی نام ہے صرف اپنے
جذبات کی رعایت کا، لیکن اس کا یقین کیجئے کہ اس باب میں میرا
مسلک "گوسالہ پرستی" نہیں بلکہ "خورشید پرستی" ہے اس لئے باوجود
اپنی تمام نارسائیوں کے بھی، حفظِ مراتب ہاتھ سے نہ دوں گا۔!

ہزار نکتہ دریں کاروبار دلداری ست

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا "دامن بچا کے گزر جانا" کسی اور کے لئے
گریباں چاک کر دینے کی بات ہو، یا سینہ شق ہو جانے کی، لیکن میرے لئے
وہ یکسر لطف و کرم تھا۔ سوال جانِ سلامت لے آنے کا نہیں۔ بلکہ "دیدن
ہماں و جان دادن ہماں" کا تھا۔

اب کہ آپ میرے خیال کی دسترس سے بھی باہر ہیں۔ زیادہ خوش
ہوں، بشرطیکہ آپ بھی اس سے خوش ہوں۔ ہاں، اس دوران میں ایک
صورت کبھی آنے کی پیدا ہوئی تھی۔ لیکن شکر ہے کہ وہ مٹ گئی، ورنہ وہاں
جانا اور آپ سے نہ مل سکنا! بڑی ہی سخت بات تھی ——— ہرزہ سرائی معاف!

نیاز نوازا

آپ نے "نقشہائے رنگ رنگ" کو پسند فرمایا، محبت ٹھکانے لگ گئی
گفتگو کو اور زیادہ پھیلنا چاہیئے۔ اور میں فال نیک سمجھوں گا، اگر آپ
ہی نے اس کی ابتدا کی۔

غزلیات کے ساتھ ساتھ غالب کے قصائد اور اس کی مثنویوں کا
بھی ذکر ضروری ہے "گوشِ سخن شنو" کی فکر نہ کیجئے۔ لکھیئے، اور صرف
اپنے لطف کے لئے لکھیئے، میری رہبری کے لئے لکھیئے، یہ نقش وہ نہ ہوگا
جسے زمانہ آسانی سے مٹا سکے۔

فارسی میں آپ کی نگاہِ "نکتہ رس" کا اب زیادہ عرصہ تک دنیا پر
راز رہنا، "آفاقی" معصیت ہے، حیرت ہے کہ آپ اسے کیوں نہیں
محسوس کرتے!

خدا کرے آپ اس کے جواب میں مجھے یہ لکھیں
زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کن!

لاحول ولاقوۃ ـــــ تم بھی کیا باتیں کرتے ہو، میں اور اُن سے
"التجائے رواداری"! آپ نے شاید غور نہیں کیا کہ "رواداری"
بھی بالکل فطری ودیعت ہے اور یہ اُس شخص میں کبھی نہیں پائی جاتی، جو
کینہ پرور ہو، پھر آپ ہی بتائیے کہ وہ جسم و روح دونوں حیثیتوں سے ـــ"

"انتر بے مہار" ہو اس سے کیا توقع ہوسکتی ہے!

علاوہ اس کے میں دھارے کے ساتھ ساتھ بہنا یوں بھی پسند نہیں کرتا، طوفان سے بچنے کا لطف اسی میں ہے کہ سیلاب کا سینہ چیر کر ساحل تک پہونچا جائے، ایسا ممکن ہو، یا نہ ہو، لیکن عزم و ارادہ یہی رکھتا ہوں، — جی یہی چاہتا ہے! آپ مانیں یا نہ مانیں!

آپ کے دوسرے استفسار کے متعلق سوا اس کے کیا عرض کروں کہ "میں نے تو اندوہ وفا سے چھوٹنے" کی بہت کوشش کی لیکن "وہ ستمگر مرے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا"۔ اور شاید اس لئے کہ اس کے راضی ہونے پر بھی میں غالباً مرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ مدعا یہ کہ میں اس جنگ میں ہار گیا، اور جیت انہیں کی رہی!

قربان جائیے! آپ نے بھی کس ادا سے مزاج پرسی کی ہے یعنی بیمار نہ بھی ہوں تو اب ہو جاؤں!

خوش طبیبے ست بیا تا ہمہ بیمار شویم!

یہ آپ سے کس نے کہدیا کہ میں علیل ہوں — اور علیل بھی ایسا کہ آپ فرطِ مسرت سے بیمار پرسی پر آمادہ ہوگئیں! کاشکے یہ لطف و عنایت آپ کبھی صحت و توانائی کے زمانہ میں صرف فرمائیں۔ بہر حال اس توجہ کا شکر گزار ہوں، — اور آپ کی عافیت

اور اپنی علالت کا طلبگار !

دیکھیے، مجھ سے کبھی وہ بات نہ کیجیے، جسے آپ خود بھی جانتے ہیں کہ مجھ سے کہنے کی نہیں! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دیوانہ آدمی ہوں، - محبت و عداوت دونوں میں! ـــ نہ دوست کی شکایت سننا پسند نہ عدو کی تعریف! اور آپ کو یہ ضد کہ اُدھر اِدھر اُنھیں کو بُرا کہیں گے جنھیں میں دوست کہتا ہوں اور جان بوجھ کر انھیں کی تعریف کریں گے، جو میرے دشمن ہیں!

اگر آپ کو رضی سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بُرے ہیں! وہ تو خیر انسان ہی ہیں، آپ کو خوش رکھنا تو فرشتوں کے بس میں بھی نہیں ـــ آپ تفصیل سے کچھ لکھتے تو میں سمجھتا کہ بات کیا ہے؟ یوں آپ کے قول پر آنکھ بند کر کے کیونکر اعتبار کر لوں ـــــ ہوسکتا ہے کہ غلطی آپ ہی کی ہو - رہا یہ امر کہ اُن کے حریف نے انتہائی انسانیت سے کام لیا، اور آپ کو مایوس نہ ہونے دیا، سو اس کے جواب میں سوا اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ آپ کی خوش نصیبی ہے - بہر حال مطلب تو کام نکلنے سے ہے، اس میں رضی اور غیر رضی کی کیا خصوصیت! ـــ آپ نے پہلے ہی کب کسی سے عہد محبت استوار کیا تھا کہ اب اسکی توقع کیجائے۔

زما گسستی و با دیگراں گرو بستی!

میرے لئے تو کوئی نیا تجربہ نہیں، لیکن اب دوسروں کو بھی اس نوش کا مزا چکھنا چاہیئے!

معقول! یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں نے نماز کبھی نہیں پڑھی اور روزے ہمیشہ قضا کئے! میں نے یہ دونوں حرکتیں کی ہیں، اور اس جوش و ولولہ کے ساتھ کہ آخر کار اُن سے بے نیاز ہو گیا۔ لیکن یہ بے نیازی اُس زاہد شب زندہ دار کی سی نہیں، جو اپنی عبادت سے خدا کو خرید لینے کا یقین رکھتا ہے، بلکہ اس مستسقی کی سی جس کی پیاس دریا کے کنارے بھی نہیں بجھتی!

جب تک خدا کو میں نے مذہب کے بتائے ہوئے اصُول سے سمجھنے کی کوشش کی تو سارا وقت اس دھڑکے میں بسر ہوا۔

"تا بہ بینیم سر انجام چہ خواہد بودن

لیکن جب خود اپنی فراست سے اس کو سمجھا، تو آپ جانتے ہیں کیا ہوا؟

خاک افشتم و چندیں درجاتم دادند!

آپ سمجھے یہ "درجات" "کیا" وہی "درجات بے نیازی"! وہی

نتواں ترا و جاں را بہم امتیاز کردن!

پھر اگر کوئی مجھے بُرا کہتا ہے تو مجھے دُکھ نہیں پہونچاتا، بلکہ راحت پہونچاتا ہے۔

اجد الملامۃ فی ہواک لذیذۃ حبا لذکرک فیلمنی اللوم!

جانِ مستمنداں! کچھ فرمائیے، لیکن آپ سے روگردانی مجھ سے ممکن نہیں!

دنبالِ تو بودن گنہ از جانبِ ما نیست
با غمزہ بگو، تا دلِ مردم نہ رُباید!!

سوال نہ کارسازیِ بخت کا ہے، نہ خوش اعتقادی کا، بلکہ صرف یہ کہ

شیوۂ من الفت دعرضِ نیاز بے بودہ است

" آپ کی موجودہ بے اعتنائیوں کو دیکھوں، یا پچھلی کرمفرمائیوں کو، نقشِ اول کا گرویدہ ہوں، اور روزِ الست کے عہد و پیماں پر قایم، اسلئے آپ آزمائیے جہاں تک آزما سکتے ہوں ــــ تھوڑی سی فرصت کسی وقت ملی تھی، سو دل خون کر لیا، اب نہ آپ سے کسی مزید عنایت کا تقاضہ ــــ نہ ضرورت!

نازم بہ گرانمایگیِ بے سروپائی

قبلہ، آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ طنزیات، تغزل کی جان ہے لیکن ہے بڑی مشکل چیز، آپ تو خیر بڑی سنجیدہ قسم کی جستجو کر رہے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں اس مزاحیہ رنگ کو بھی لے لیجئے جو طنزیات کے حدود میں آتا ہے!

اس وقت ایک لطیفہ یاد آگیا، کسی زمانہ میں علی گڈھ کالج، (مسلم یونیورسٹی بننے سے قبل) بڑے زندہ دل نوجوانوں کا مرکز تھا۔

انھیں میں ایک نوجوان داؔؤد نامی بھی تھے، ان کی ذہانت و ظرافت کی داستانیں بہت مشہور رہیں، حاؔلی زندہ تھے، اور اکثر کالج کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے، ایک بار اسی قسم کی صحبت شعر و سخن برپا تھی، کہ داؔؤد دفعتاً کھڑے ہوئے، اور مولانا حاؔلی سے مخاطب ہو کر کہا کہ قبلہ آپ کے ایک شعر کو میں نے تضمین کیا ہے، ارشاد ہو تو عرض کروں، انھوں نے فرمایا "ضرور" داؔؤد نے یہ تضمین پیش کی:

لاکھ بے چین ہو دل، لاکھ ہو بیتابی جاں اپنی اوقات نہ بھولے کبھی ہرگز انساں
سن کے لوگوں سے کہ آئے ہیں وہ داؔؤد کہاں ان کو حاؔلی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
آپ کو دیکھیے اور آپ کے گھر کی صورت

مولانا حاؔلی نے اٹھ کر گلے لگا لیا اور کہا کہ یہ شعر اب میرا نہیں، تمھارا ہے!
کیا آپ نے اس سے بہتر تضمین کوئی دیکھی ہے!
اسی قسم کی چوٹ غاؔلب نے بھی سعدؔی پر کی ہے، لیکن کس قدر پیاری ملاحظہ ہو:

حلقِ غالب نگر و دشنۂ سعدی کہ سرود
"خوبرویانِ جفا پیشہ وفا نیز کنند"

آپ نے بڑے دلچسپ کام کی طرح ڈالی ہے، میرے ذہن میں جو مثالیں وقتاً فوقتاً آتی رہیں گی، انھیں پیش کرتا رہوں گا!

مکرمی

"ناہید بہ غمزہ کشت و مریخ بہ قہر"

یہ کسی غزل کا مصرعہ نہیں ہے! بلکہ غالب کی ایک رباعی کا چوتھا مصرعہ ہے

رباعی یہ ہے:

آنم کہ بہ پیمانۂ من ساقی دہر ! ریزد ہمہ دُردِ دَرد و تلخابۂ زہر
بگذر ز سعادت و نحوست کہ مرا ناہید بہ غمزہ کشت و مریخ بہ قہر

ناہید (زہرہ) کو مبارک ستارہ مانتے ہیں، اور مریخ کو منحوس، لیکن غالب کہتا ہے کہ کہاں کی سعادت اور کیسی نحوست، مجھے تو ناہید نے بھی اپنے غمزہ سے ہلاک کر دیا، مریخ کو تو ہلاک کرنا ہی تھا۔

یہ انداز بیان غالب کیلئے مخصوص ہے، کلیات ملاحظہ کیجئے، اس سے بہتر اور بہت سی مثالیں آپ کو مل جائیں گی!

کیا پوچھتے ہو ——————

اب عشق کا وہ حال نہ ہے حسن کا وہ رنگ باقی ہے فقط عہد تمنا کا فسانہ!

دو مہینے اس طرف کی بات ہے، جب "محفلِ غیر" میں اُن سے صرف "نیم نگاہانہ" ملاقات ہوئی تھی، اس کے بعد پھر "سر راہے" بھی ہوئی، لیکن بالکل مغایرانہ!

میں نے ایک خط لکھا کہ یہ کیا ادا تھی، جواب ملا:

اظہار آرزو میں محابا نہ چاہیئے !!!

معلوم نہیں یہ حکم تھا یا محض پند و نصیحت، بہر حال جو کچھ بھی ہو، ہمیں تو تعمیل کرنا ہی تھی، چنانچہ اب تک وہی "تعمیلِ تعطل" جاری ہے، اور اس میں کچھ زیادہ تکلیف بھی نہیں!

چلو، ہٹو ____________

غریب کتنی دور سے، معلوم نہیں کیا کیا تمنائیں دل میں لیکر آیا تھا، اور تم نے یہ بھی نہ پوچھا کہ، ہے کون۔

مجھ سے کل ملے، لیکن نہایت حزیں ملول، میں نے ان کو سمجھایا کہ ممکن ہے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو ۔ مگر دل ٹوٹنے کے بعد کسی دلیل سے نہیں جڑتا!

اگر اس بے اعتنائی کا کوئی خاص سبب ہو تو مجھے بتاؤ، ورنہ غلطی پر اظہار معذرت کوئی بڑی چیز نہیں!

خط ملا، میں تو قیامت تک ماننے کے لئے تیار نہیں، کہ آپ کوشش کریں، اور ناکام رہیں ــــ اگر معاملہ صرف ذاتی "حیثیت رکھتا" تو مجھے زیادہ فکر نہ ہوتی، لیکن سوال اصول کا ہے، ساری قوم کے اخلاقی اقتدار کا ہے۔ وہ قوم جس میں آپ ہم سب شامل ہیں۔ اس لئے ساری دنیا کی تکلیف

اُٹھانے کے بعد بھی، سعی و تدبیر سے گریز مناسب نہیں، آپ ان سے ملیں
تو سہی، گفتگو میں کوئی نہ کوئی موقعہ نکل ہی آئے گا! آپ اجتماعی نقطۂ نظر
تو اُن پر واضح کر دیں، رہا یہ اندیشہ کہ ممکن ہے وہ نہ مانیں، بالکل قبل
از وقت ہے، اگر ایسا ہوا بھی تو کیا؟ وہ نہ سہی، کوئی اور سہی، کہیں نہ کہیں

تو یہ غبارِ چین سے بیٹھے ہی گا، نہ میں نہ سہی آسماں سہی!

میں جواب کا منتظر ہوں، اور اس قدر بے چینی کے ساتھ کہ
ممکن ہے انتظار بھی نہ کر سکوں!

کعبۂ مستمنداں! تمنا پوری کرنے والوں کا حال تو مجھے معلوم نہیں
لیکن تمناؤں کی کیفیت ضرور جانتا ہوں، اس لیے جو کچھ میں کہوں اُسے
شکایت نہ سمجھیے، بلکہ صرف عرضِ حال، اور وہ بھی ایسے شخص کی طرف سے

جُز و فا جس کو کچھ نہیں معلوم

مجھ سے شاید پہلے ہی غلطی ہوئی کہ واقعہ کو "استفہام" کی صورت
میں پیش کیا، اور آپ کو یہ سوچنے کا موقعہ مل گیا کہ ممکن ہے یہ سب وہم ہی
وہم ہو، بہر حال اب کہ آپ کے دل میں شکوک و اوہام پیدا ہو گئے ہیں۔
مجھے صاف صاف کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اور آپ کو جو کچھ
کرنا ہو کیجیے! گو میں ایلچی کی حیثیت رکھتا ہوں، لیکن وہ ایلچی نہیں، جو
" ایلچی را چہ زوال " کے حقوق رکھتا ہے، بلکہ جو بہ صورت انکار خود

مدعی بننے کے لئے تیار ہو جائے، اس سے آپ معاملہ کی اہمیت کا اندازہ
کر سکتے ہیں!

بہر حال جو کچھ پہلے لکھ چکا ہوں، اسے حرفِ غلط سمجھئے، اور اس
تحریر کو سامنے رکھکر فیصلہ فرمائیے!

محترمہ! پرسشِ حال کا شکریہ، لیکن سوچ رہا ہوں جواب
میں کیا لکھوں، لیکن خیر، مومن کا یہ شعر تو سن ہی لیجئے
بخت بدلے یہ ڈرا یا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے
ایک ہفتہ ادھر کی بات ہے کہ ایک محفل میں آپ کا ذکر چل پڑا۔
جتنے منہ اتنی باتیں، میں خاموش، لیکن آخر کب تک؟ مجبوراً بولنا پڑا ـــ
لیکن میں نے کیا کہا، شاید اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔
میں اس کی خبر بھی آپ کو نہ کرتا، اگر میری زبان سے کوئی ایسی
بات نکل جاتی، جو آپ کی زبان سے بھی تصدیق چاہتی ہے۔ آپ کا ایک
خط عرصہ ہوا مجھے ملا تھا۔ جس کی بنا پر میں نے وہ بات کہی تھی، لیکن
وہ تحریر میرے پاس سے گم ہو گئی، ڈر رہا ہوں کہ اگر ثبوت طلب کیا گیا
تو میں کیا کہوں گا، اس لئے پھر وہی دلخراش خبر سنا دیجئے، جو پہلے سنائی
تھی، گو دل کو بار بار تھامنا کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں! لیکن بات تو ہجانے گی
غالباً آپ سمجھ گئی ہوں گی ـــــ اور، ہاں، میں یہ بتانا تو بھول ہی

گیا کہ کیسا ہوں، اچھا یہ بھی سن لیجئے!
شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں   کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پہ ملال تو ہے

جنابِ من! آپ کی تالیف کا خاکہ میں نے دیکھا، ماشاء اللہ، خوب ہے، لیکن ایک بات دل میں کھٹک رہی ہے اور وہ یہ کہ آپ نے ہر جگہ لفظ "تنقید" استعمال کیا ہے، آپ ایسے محقق کے سامنے زبان ہلانا نادانی ہے، تاہم پھر اس پر غور کر لیجئے کہ آیا لفظ "تنقید" صحیح ہے یا نہیں!

میں نے عربی زبان میں اس لفظ کا استعمال کہیں نہیں دیکھا، نقد، انتقاد، ناقد، نقاد اور منتقد تو استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن تنقید یا منقد (بابِ تفعیل سے) دیکھا نہیں گیا۔ اگر آپ کی نگاہ سے کہیں گزرا ہو تو مطلع فرمائیے ——— ممنون ہوں گا!

ہاں، ہاں — میر مہدی بیدار بھی شاہ حاتم کے شاگرد تھے اور عبدالحئی تاباں بھی۔ دونوں کا قریب قریب ایک ہی رنگ ہے۔ میرے پاس ان میں سے کسی کا دیوان نہیں، چند اشعار یاد ہیں سُن لیجئے:

بیدارؔ:—

بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوہ   اس پر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

اُس آئینہ رُو کے ہو مقابل ! معلوم نہیں کدھر گئے ہم !
کون ہے کس سے کروں دردِ دل اپنا اظہار چاہتا ہوں کہ سنو تم، سو کہاں سنتے ہو
محشرِ فتنہ ہے اس شوخ کی رفتار کیساتھ جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کیساتھ

تاباںؔ :-

جفا سے اپنی پشیماں نہو، ہوا سو ہوا ! تری بلا سے مری جاں پہ جو ہوا سو ہوا
نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے اے ظالم وہ ایکدم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا
دل کو ہر چند مرے طاقتِ ہجراں تو نہیں ایک اس غم سے غنیمت ہے کہ نالاں تو نہیں
بیتابیوں کا عشق میں کرتا ہے کیوں گلہ تاباںؔ اگر یہ دل ہے تو آرام پا چکا

کیا پوچھتے ہو ! ہر شخص کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے۔ جب وہ صرف دوسروں کے لئے جیتا ہے ! اور میں اُسی وقت سے گزر رہا ہوں —— میرے علائق میری زندگی کا سہارا ہیں، محض اس لئے کہ میں ان کا سہارا ہوں۔
پھر اگر اس رنگ سے ہٹ کر کبھی وہ فرصت نصیب بھی ہو، جس کا ذکر تم نے کیا تو بھی کیا !

تم پاس نہیں، تو سب ہیں بے کار

تم سے مراد ہر وہ شخص ہے، جو گزری ہوئی زندگی میں کسی نہ کسی طرح شریک رہا ہو، اور اب کوئی سوا دو ایک کے موجود نہیں، اور جو ہیں وہ بھی خزاں رسیدہ پتیوں کی طرح منتشر ! اس لئے کیوں ایسی باتیں

پوچھتے ہو، جن سے دل دکھتا ہے!

ناگوار اور ناگوارا، دونوں صحیح ہیں! حسرت کا شعر ہے!

وہ ملتے رہیں گے تصور میں ہم سے
غم ہجراں کبھی ناگوارا نہ ہوگا!

یہ کیا سوچا کرتے ہو کہ کیا ہونا ہے، ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ہونا چاہئیے ہماری تمھاری خواہش ہی کیا۔ جیسے دنیا کا کاروبار چلا ناہے! وہ فرعون کے ساتھ موسیٰ کم پیدا کرتا ہے، لیکن حسینؑ کے ساتھ یزید زیادہ! پھر فرعون کا ساتھ دو تو ممکن ہے کچھ دن پناہ مل جائے، لیکن حسینؑ کی تقلید میں، یہ امید رکھنا فضول ہے!

اگر تم اچھے ہو تو تمھارے لئے برے ہزار، اور اگر برے ہو، تو اچھے لوگ تمھارا کچھ بگاڑ سکنے کے نہیں! کیونکہ وہ اچھے ہیں، دنیا میں ہمیشہ اچھوں ہی سے زیادہ خراج طلب کیا جاتا ہے اور ان کی خوبی یہی ہے کہ وہ یہ خراج دیتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے!

تم جو سلوک جس کے ساتھ کر رہے ہو، کئے جاؤ، اعتراف کوئی کرے یا نہ کرے، آفتاب کی روشنی باغ پر بھی پڑتی ہے اور مزبلہ پر بھی۔ پانی کا کام بہنا ہے، خواہ سطح صاف ہو یا ناصاف!

مجھے تمہارے لکھنے سے پہلے ہی سارا حال معلوم ہو گیا تھا، اور

میں نے اُن کو بیدل کے یہ دو شعر لکھ کر بتادیا تھا کہ ان کا تمھارے منہ آنا کیا معنی رکھتا ہے!

وہی سرد نقد خود تخشّم می کرد　　تقلید قدِ تو پیشِ مردم می کرد
شد تند نسیم، لالہ سر جنبا بند　　خندید گل و غنچہ تبسم می کرد

خط ملا! کیا عرض کروں کہ پڑھکر کتنا صدمہ ہوا۔ یقیناً حادثہ ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن برداشت کرنا ہی پڑے گا، دنیا میں صرف انسان ہی کا وجود ایسا ہے جو غم میں بھی ہنس سکتا ہے!

آپ کو افسوس یہ ہے کہ یہ سب ناگہاں ہوا، حالانکہ تسکین کی اگر کوئی بات ہے تو صرف یہی ہے، اگر آنے والی مصیبت کی خبر پہلے سے ہو تو غم کی عمر بھی طویل ہو جائے۔ سینہ کو آہستہ آہستہ پتھر کا بنانا ہنسی کھیل نہیں۔ رہا سوال شکوہ و شکایت کا، سو فطرت کے مقابلہ میں یہ دونوں بے معنی چیزیں ہیں۔ پہاڑ نہ آپ کے سر ٹکرانے سے جنبش میں آسکتا ہے، نہ الحاح و زاری سے ـــ زندگی گذارنے کا بہتر طریقہ یہ نہیں کہ موت کو یاد کیا جائے یا مصائب پر ماتم! یہ دونوں باتیں ہستی کے منفی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں۔ حسینؓ کے نام پر کتنے عرصہ سے سینہ زنی کی رسم جاری ہے، لیکن اب تک حسینؓ کیا، کوئی حُر بھی پیدا نہ ہوسکا۔ یاد رکھنے کی چیز حسینؓ کی زندگی تھی، نہ کہ موت! لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے جب خود ہم میں زندگی پائی جائے۔

مُردہ ہیں اور موت ہی کا ذکر اچھا معلوم ہوتا ہے !

یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ موت کے بعد کوئی زندگی ہو یا نہ ہو، موت کا خیال اپنی جگہ کوئی معنی نہیں رکھتا - اگر مرنے کے بعد بالکل معدوم ہو جانا ہے تو فکر بے کار ہے - زندگی اگر نوم صغیر تھی تو اسے نوم طویل سمجھئے - پھر کیا رات کو سو جانے کے بعد کبھی ہمیں کوئی احساس آئندہ یا گزشتہ کا باقی رہتا ہے ؟ اور اگر مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے (جس کے تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں) تو پھر " فراق و جدائی " کے خیال سے گھبرانے کی وجہ ؟

جائیے، ہاتھ منھ دھوئیے، اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر چار اُنگل وہسکی کا پگ لیجئے، اور سنیما چلے جائیے !

بجا ارشاد ہوا، ظاہر ہے کہ مجھ سے زیادہ غریب انسان آپ کو ظلم ڈھانے کے لئے اور کون ملسکتا تھا، اللہ اللہ آپ کو اپنے قوت بازو پر اتنا بھروسہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد تڑپنے کا کبھی تماشہ نہیں دیکھنا چاہتے — وہ تو کہئے خیر ہوئی کہ میں آپ سے دور تھا، ورنہ شاید آپ اتنا انتظار بھی نہ کرتے !

ہوش میں آئیے، کسی کی مجبوری سے ناجائز فایدہ اُٹھانا اگر مردانگی کی بات ہے تو اس کا مصرف میں نہیں ہوں، کوئی اور ہوگا ؛ شکستہ ناخن ہوں،

لیکن مسلوب الحواس نہیں، مجبور ہوں، مگر ناغیور نہیں آپ کو جان لینا آتی ہے تو مجھے بھی جان دینا معلوم ہے" اور اس شخص سے ہمیشہ ڈرییے جسے یہ بات معلوم ہو!

گرامی عزیز! خط ملا، ہر چند آپ نے آخیر میں لکھدیا کہ "جواب طلب" نہیں ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ میں خود

ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

آپ نے جو کچھ میری نسبت لکھا ہے، اس کا جواب تو میرے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ وہ آپ کے مخلصانہ احساسات و تاثرات ہیں۔ اور کسی کے ذاتی کوائف کی تردید! میرے کیش و آئین کے خلاف ہے، لیکن آپ نے آمنہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور توجہ کا مستحق ہے!

آپ نے مرحومہ کا ذکر کر کے مجھے یہاں بھی تکلیف پہونچائی تھی، اور اب خط میں یہ ذکر کر کے مجھے اور زیادہ دل گرفتہ بنا دیا ۔ ہر چند دنیا میں اس نوع کے دلدوز واقعات ہمیشہ ہوئے ہیں، اور ہوتے رہیں گے، لیکن انفرادی حیثیت سے ایسا ہر حادثہ قدرت کی بیرحمی کی ایسی معمولی روداد نہیں جسے آسانی سے بھلایا جا سکے۔ دنیا محسوس کرے یا نہ کرے، لیکن اس کا دوامی اثر ہماری اجتماعیات پر بھی پڑتا ہے، کیونکہ واقعات کی راہیں بہت کچھ اسی طرح بدلتی ہیں، فرض کیجیے کہ آمنہ اگر آج زندہ ہوتی تو کیا

ہوتا، کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے نظامِ اجتماعی کو ایسا نہ ہونے سے کتنے قابل افراد کا نقصان پہونچا اور ہماری سوسائٹی کتنی بڑی دولت سے محروم ہو گئی!

میں سمجھتا ہوں، آپ کے رجحانات میں جو تغیر پیدا ہوا ہے، اس کا سبب یہی حادثہ ہے، اور آپ کی اس تلخ سوگواری پر یقیناً آپ سے باز پرس نہیں ہو سکتی، پھر ہو سکتا ہے کہ آپ کی یہ کیفیات عارضی ہوں۔ لیکن کسے خبر ہے کہ جو ساعتیں آپ کی زندگی کے ان تاثرات کے نذر ہو رہی ہیں، وہ کتنے اُن حقوق کو پامال کر جائیں گی، جو آپ کی پُرنشاط عملی زندگی پر سوسائٹی کی طرف سے عاید ہوتے ہیں!

یہ میں اس لئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ کی موجودہ قنوطیت کو ناواجب ثابت کروں، بلکہ صرف اس لئے کہ دنیا کے کاروبار کو خدا سے متعلق کر کے آپ کیوں ایک ظالم و بے رحم خدا کا تعارُف دنیا سے کرائیں، خدا کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں

ستارہ و فلک و بخت و روزگار ہے ہست

جن پر آپ جی کھول کر نکتہ چینی کر سکتے ہیں، بغیر اس خوف کے کہ اس کا انتقام آپ سے لیا جائے گا۔

آمنہ سے جدا ہونے کے بعد یقیناً بربنائے محبت آپ کا جی یہی چاہتا ہوگا کہ اس زندگی کے بعد پھر دوسری زندگی شروع ہو، اور آپ مرحومہ

سے ملسکیں، لیکن یہ جذبہ نیا نہیں، قدیم ترین انسان کے دل میں بھی اول اول یہی جذبہ پیدا ہوا تھا، اور اسی نے مذہب و مابعد الطبیعیات کی طرح دنیا میں ڈالی، لیکن میرے عزیز دوست، دنیا کے حقائق کو جذبات و تاثرات سے جانچنا، ممکن ہے دل کی تسکین کے باعث ہو لیکن عقل کو اس سے تسکین نہیں ہوتی!

مجھے اس وقت پوری طرح یاد نہیں کہ حال ہی میں جب آپ مجھ سے یہاں ملے تھے تو میں نے آپ کو کس عمر کا انسان پایا تھا، تاہم اتنا خیال ضرور ہے کہ آپ مجھ سے چھوٹے ہیں اور شاید اتنے چھوٹے کہ میں اپنی کبر سنی کا رعب پوری طرح آپ پر جاسکتا ہوں، اس لئے اگر میں اس سے جائز یا ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ سے کچھ کہوں تو بُرا نہ مانئے گا۔ دیکھئے انسان اس حیثیت سے کہ وہ ایک انفرادیت بھی رکھتا ہے، اتنا زیادہ اہم نہیں، جتنا اس حیثیت سے کہ وہ ہیئت اجتماعی کا فرد ہے اور اس لئے ہمیں اپنے بیم و رجا کو اتنی اہمیت دیدینا کہ سوسائٹی کے حقوق کی طرف سے بے پروا ہو جائیں، خود اپنے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں، علی الخصوص ایسی صورت میں جبکہ نشاط و قنوط دونوں بالکل عارضی کیفیات ہیں!

آپ شوق سے مابعد الطبیعیات پر غور فرمائیے اور مجھ سے بھی اس باب میں گفتگو کیجئے لیکن اس وقت جب آپ موجودہ قنوطی کیفیت

گزر جائیں۔ آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں دور تک نہیں دیکھ سکتیں اور نہ ماتم کرنے والے ہاتھ کوئی دامن پکڑ سکتے ہیں، انسان بڑی جذباتی مخلوق ہے، اور اسکی یہی خصوصیت اس کی نجات بھی ہے اور تباہی بھی، اگر اس کے جذبات صرف اس کی ذات میں محدود ہو کر رہ گئے تو وہ تباہ ہو گیا، اگر ماورار سے متعلق ہو گئے تو نجات پا گیا۔ اسی حقیقت کو شاعر نے یوں ظاہر کیا ہے

قطرگی بگزار تا عماں شوی

آپ کو دنیا میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے، اور معلوم نہیں ہئیت اجتماعی کتنے امکانات آپ سے وابستہ کئے ہوئے ہے، اس لئے آپ کا غم سے اس حد تک متاثر ہو جانا کہ دنیا سے تنفر کر دینے والے خدا کی یاد کے سوا آپ سب کچھ بھول جائیں، کوئی معقول بات نہیں، انسان کا (MOTTO) "ذرہ آفتاب تابانیم" ہونا چاہیئے نہ کہ – "بلبل و در قفسم کردہ اند"

مرحومہ کے لکھے ہوئے مضامین اگر آپ میرے پاس بھیج سکتے ہوں، تو ضرور بھیجئے، ـــــ ممنون ہوں گا!

آپ کا خط ملا، حیرت ہے کہ آپ زمانہ کی شکایت کرتی ہیں حالانکہ اگر زمانہ سے دریافت کیا جائے تو شاید وہ یہ کہے کہ

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

آپ ہی بتائیے یہ معمہ کیونکر حل ہو۔ میں نے ہمیشہ دلگرفتی کے ساتھ محسوس کیا کہ آپ کی عقل میں وقت سے بہت پہلے پختگی پیدا ہو گئی ــــــ کسی دوسرے کا حال تو معلوم نہیں، لیکن آپ کی اس نگہ ہوشیار نے کم از کم مجھے تو ہمیشہ زچ ہی رکھا، کھلکر بات نہ کر سکنا کیا کم کوفت ہے!

ایک زمانہ تھا جب عورت کی "سادگی و پرکاری" کا ذکر بہت حیرت سے کیا جاتا تھا، لیکن اب کہ اس کی سادگی ختم ہو کر وہ صرف پُرکار ہو کر رہ گئی ہے، جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے!

میں محترمہ لکھتا ہوں تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے، کیونکہ آپ میرے سامنے کی بچہ ہیں، لیکن میں آپ کے سن و سال کو نہیں دیکھتا، بلکہ اس "بلوغ کمال" کو دیکھتا ہوں، جس کے سامنے "سربسجود" ہونے کی جگہ ــــ "زانوئے ادب" تہ کرنے ہی کو جی چاہتا ہے ــ جہاں محبت کی گنجائش نہ ہو وہاں کم از کم عزت و احترام کو تو بار پانے دیجیے!

سیاست میں آپ میری رہنما، مذہب میں آپ میری پیر و مرشد ادب و انشاء میں آپ میری اتالیق، اور اس پر یہ مطالبہ کہ محترمہ نہ لکھوں ــــــ! ــــــ پھر کیا لکھوں؟

شربہ آنکھ، نگہ بیقرار، چتون شوخ تم اپنی شکل تو پیدا کر و حیا کے لئے

آپ کو مارچ کا باب الاستفسار پڑھ کر بہت تکلیف ہوئی۔

لیکن آپ کے خطوط پڑھ کر مجھے اس سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے ــ خدا و رسول کے انکار سے، خدا و رسول کا کچھ نہیں بگڑتا، لیکن "انکارِ محبت" تو کھلی ہوئی بربادی ہے ـــ آپ کو کیا خبر کہ "شیخ دار و مرتبہ" کتنا سخت امتحان ہے!

جس طرح برسوں پہلے آپ میرے لئے ایک "معمہ و چیستاں" تھیں، اسی طرح آج بھی ہیں ـــ آپ تو خیر غنچہ سے گل نہیں، اور پھر گل سے گلزار، لیکن یہاں جو قسمتِ شبنم، اور وہ بھی شایدِ بیاباں پر مقسوم ہو چکی تھی۔ ابھی تک قائم ہے:

ہے شکستن سے بھی دل مایوس یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے!

کہہ دیجئے، "ہمیشہ" رامپور میں کب تک قیام رہے گا، یہ اسلئے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے آپ سے کام ہے! کتاب غالباً پہونچ گئی ہوگی!

یہ بالکل درست ہے کہ زمانہ سازی بڑی بات نہیں، لیکن اگر اس کے بعد بھی کاربر آدمی نہ ہو تو پھر کیا فتویٰ ہے؟ وہی خودکشی، جسے آپ حرام کہتے ہیں ـــ جس چیز کا نام ضمیر ہے، اس میں شک نہیں بڑی نامعقول شے ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ خود انسان کا وجود ـــ جو مجموعۂ نقائص کے سوا کچھ نہیں، ــ قدرت کی کونسی معقولیت ہے! میں

سمجھتا ہوں کہ کائنات ابھی تخلیق و تجربہ سے کبھی آگے نہیں بڑھی، تکمیل و تجمیل
کیسی! اس لئے بدتمیزی کا یہ دور تو ابھی رہنا ہے، اور معلوم نہیں کب تک!
آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں ـــــ جب موت زندگی پر اختیار نہیں، تو
پھر خوشحالی و بدحالی کی کیا فکر!

خدا جانے دنیا میں کتنی قومیں آئیں، اور فنا ہو گئیں، مسلمانوں
ہی میں کیا سرخاب کا پر لگا ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے! پھر افسوس تو مجھے
بھی ہوتا ہے، لیکن حیرت کی کوئی بات نہیں۔ آپ مذہبی اصول کو لئے
پھرتے ہیں، حالانکہ اب وہ ذکرِ فضول سے زیادہ نہیں۔ دنیا میں ہمیشہ
مذاہب کو واعظین ہی نے تباہ کیا ہے، اور اب بھی یہی ہوگا! اگر آپ
اس جماعت کو فنا کر سکتے ہیں تو اپنے بقا کی امید کیجئے! ورنہ خاموشی سے
آنکھ بند کر کے چلے جائیے، جہاں مولوی لیجائے، خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو!

مرزا صاحب! آداب عرض کرتا ہوں، یہ ریڈیو والا "آداب
عرض" ہے صرف آپ کے چونکانے کے لئے۔ ورنہ مقصود "آداب
داداب" کچھ نہیں! کیونکہ آپ نے دنیا میں کسی سے "ادب و آداب" کی
رسم ہی قایم نہیں کی ـــ اچھا تو مدعا یہ کہنا ہے کہ جب سے آپ نے مجھے
چھوڑا ہے، اس وقت سے لیکر تا ایندم پورے تیس سال کے سوانح
مجھے سنا ڈالئے، آپ کے لئے یہ آسان ہے اور میرے لئے بہت مشکل

کیونکہ مجھے تو وہاں کے ایک ایک ذرّہ سے محبت ہے، کس کس کو پوچھوں گا، اور آپ کس کس کا حال بتائیں گے!

ہم، آپ، دونوں جس زمانہ کو چھوڑ آئے ہیں، وہ یقیناً بڑا طوفانی زمانہ تھا، مگر تھا دنیا و مافیہا کو بھلا دینے والا، اس لئے اب کہ کشتی ساحل سے قریب ہے، کیوں نہ ایکبار ان نقوش کی یاد کو تازہ کر لیا جائے۔ غم سے نجات تو خیر کیا ملے گی، لیکن ممکن ہے تھوڑی دیر کے لئے اس بحران میں کمی ہو جائے!

کامیابیاں، اور سرسامانیاں مبارک! لیکن آپ نے غالب کا یہ شعر سنا ہو گا:

پیمانہ براں رند حرام ست کہ غالب
در بیخودی اندازۂ گفتار ندانند!

جوانی خود ایک نشہ ہے، چہ جائیکہ لذائذ تک دسترس! کہ اس صورت میں اگر کوئی بہک جائے تو قدرت کو بھی محاسبہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے!

فیروز کا خط آیا تھا، آپ کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اس میں کیا لکھا ہو گا، اب تو آپ کی عمر غالباً چالیس سال سے متجاوز ہو گی، اس لئے ان دل دکھانے والی اداؤں میں قدرتاً کمی ہونا چاہیے — سایہ کا تعاقب پُر لطف ضرور ہے

لیکن حقیقتوں کا احساس بھی کم دل چسپ نہیں، اگر آپ کے پاؤں میں کانٹے نہیں چبھے، تو تھوڑی دیر ٹھہر کر انھیں کو دیکھیے، جو راہ میں بیٹھکر تلووں سے کانٹے نکال رہے ہیں ـــــ ہمدردی نہ سہی، تماشہ سہی!

کتنی تکلیف ہے اس خیال سے کہ اب عرصہ تک آپ کو میری خبر نہ ہو سکے گی! ـــــ خود ہی برہم ہونا، اور خود ہی لگا ہوں سے اوجھل ہوجانا، کیا قیامت ہے! حیران ہوں کہ اس معذرت کے بوجھ کو کبتک لئے پھروں گا، کس کمبخت نے کہا تھا کہ میں آپ کی تحریر سے خفا ہوں، مگر اس کا کیا علاج کہ جب آپ خود خفا ہونا چاہتی ہیں تو ہمیشہ دوسرے ہی کی خفگی کو اس کا بہانہ بنایا کرتی ہیں!

میں نے بیشک فوراً جواب نہیں لکھا، لیکن آپ ہی نے کب لکھا تھا کہ بمبئی کی فضا میں گم ہونے کے لئے آپ پابرکاب ہیں! بہرحال اب تو یہ تحریر صرف "نقشے کز ما یادماند" کی حیثیت رکھتی ہے، معلوم نہیں نگاہ سے گزرے یا نہ گزرے، اور گزرے بھی تو کس وقت!

از غبار شوق طرح ~~منزل~~ کعبۂ دل ریختند
گرد رہ بر داشتند و رنگ منزل ریختند

یہ شعر غالب کا نہیں، جلال اسیر کا ہے، لیکن ہے غالب ہی کے

رنگ کا، آپ کا یہ دعوی آپ کی خوش ذوقی کی دلیل ہے! مرزا مظہر جانجاناں کا ذکر البتہ اس سلسلہ میں بے محل ہے، ان کے تغزل کو اس رنگ سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً ان کے کلام میں کہیں کہیں شوخی ضرور پائی جاتی ہے. لیکن غالب کا تیز طنز یاتی رنگ کہاں، علاوہ اس کے تراکیب و الفاظ کا وہ شکوہ بھی نہیں جو غالب کا حصہ تھا، ہاں جس حد تک جذبات کا تعلق ہے وہ بیشک غالب سے آگے بڑھ کر خسرو و حسن تک پہونچاتے ہیں۔!

غالب کے محاکاتی رنگ میں وہ زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں:

محفلے بود اہم کہ آنجا وصل جاناں ردہد — گوشہ ابرو جوابِ گوشہ ابرو دہد

لیکن یہ ان کا اصلی رنگ نہیں، ان کے کلام کی خصوصیت، اس کا کیفیاتِ عشق میں ڈوبا ہوا ہونا ہے! مثلاً:

امتحانِ صبرِ عاشق اینقدر ہا خوب نیست — اے بقربانت روم آخر دلم ایوب نیست
غلام عشقم و لطف و کرم بہائے من ست — کسے کہ بندہ بخواند مرا خدائے من ست
مگوئید آہ، پیشِ من مگوئید — کہ معشوقِ کسے عاشق نواز ست
کیست امروز بجز مظہر دیوانہ ما — آنکہ ہر شب بہ تمنائے تو صد بار گریست
نے فرصتِ اشکے، نہ مرا رخصتِ آہے — دارم بہ رخِ دوست غریبانہ نگاہے

حضرت آپ نے بھی کس زمانہ میں پہونچ کر رسم شکوہ و شکایت

قایم کی۔ آپ میں " ادائے ترکانہ " ممکن ہے اب بھی باقی ہو، لیکن یہاں نہ عناصر میں اعتدال، نہ دماغ کو فرصتِ احساسِ جمال!

اختلال حواس کی ابتدا کا حال معلوم نہیں، لیکن اس کی انتہا سے ضرور آگاہ ہوں اور وہ یہ کہ:

دیوانہ بہ خویش آشنا نیست!

ظاہر ہے کہ اس صورت میں آپ کی "شکایت بیگانگی" کا شکریہ ادا کرنا بھی چاہوں تو ممکن نہیں ـــــ نہ آپ نے مجھے عرصہ سے دیکھا، نہ میں نے آپ کو ـــ اس لئے ممکن ہو تو ایک دن کے لئے آ جائیے، شاید "تجدیدِ محبت" سے مری ہوئی تمنائیں پھر جی اٹھیں ـــــ اسکے بعد شکر و شکوہ کا بھی لطف ہے!

محترم! دل پُرسی اور ہمدردیوں کا شکریہ! لیکن

با غمم چہ تابِ دعوے و بہ دل چہ اختیار

زمانہ میرے لئے کبھی ناساعد ثابت نہیں ہوا، اور اب بھی نہیں ہے! لیکن ایک وقت آتا ہے، جب انسان خود زمانہ کے لئے ناساعد ہو جاتا ہے اور یہ وہ کیفیت ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ جب تک "برگ و ساز" کی فکر ہے، انسان زندہ ہے، لیکن اس فکر سے آزاد ہوتے ہی "گرانمایگی بے سرو پائی" کا احساس شروع ہوتا ہے، جو پُر لطف

بھی ہے اور تکلیف دہ بھی ـــ وہ اس لئے کہ ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا، اور یہ اس لئے، وہ کسی دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتا!

یہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان باتوں کے سمجھنے والے ہیں۔ کسی اور سے کہوں تو وہ مذاق سمجھے گا، یا تصوف، سو مذاق کی حد تک تو خیر کوئی حرج نہیں لیکن تصوف کا الزام واتہام کون اٹھائے۔

ہاں، دہلی جانے کا قصد رکھتا ہوں، لیکن کب کا جواب میرے اختیار میں ہو تو آپ کو بھی چلنے کی دعوت دوں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ خود کوئی تاریخ مقرر کر کے تشریف لے آئیے، کیونکہ اس صورت میں معاملہ "وے بزندش" کا ہو جائے گا، اور پھر اختیار و خفتیار کی کوئی بحث ہی نہ رہے گی، ہاں، تو بتائیے کب تک آئے گا، مگر ڈرتا ہوں کہ مبادا اس کے جواب میں آپ بھی میری ہی طرح سپر ڈال دیں۔!

بے وقوف ہوئے ہو، مجھے اتنی فرصت کہاں کہ ان کے پیچھے دنیا کی خاک چھانتا پھروں ـــــ "سیر گل می کنم از پر تو مہتاب کسے" اور خوش ہوں!

ایک مہینہ ہوا جب ان کا خط ملا تھا، لیکن میرے جواب دینے سے پہلے ہی وہ تشریف لے گئیں۔ کہاں کا پتہ نہ اس سے پہلے کبھی چلا، اور نہ اب اس کا امکان ہے، میری ان کی ملاقات بالکل،

"شہاب ثاقب" کی سی کیفیت رکھتی ہے، یعنی بقول اکبر ——
" وہ کیا ہیں اک جھلک ہیں، ہم کیا ہیں اک نظر ہیں " اور اگر کہیں آنکھ
جھپک گئی تو یہ بھی ختم —— پھر وہی شب تار، اور پھر وہی انتظار!
بہر حال اگر اس دوران میں کوئی اطلاع ملی، تو آپ کو
لکھ بھیجوں گا، مطمئن رہیے۔!

مکرمی! میں بہت غور سے آپ کی تحریروں کا مطالعہ کر رہا
ہوں، لیکن میرے آپ کے نقطۂ نظر میں تھوڑا سا اختلاف ہے، آپ
نئی شاعری کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ پرانی نہیں ہے اور
میں اس لئے کہ وہ نئی بھی نہیں ہے، نئے پرانے کا جھگڑا، مذہب
و اخلاق وغیرہ کی بحث درمیان لانے سے طے نہیں ہو سکتا، بلکہ
خالص افادی نقطۂ نظر سامنے رکھنے سے ہو سکتا ہے!
جدید شاعروں کا کہنا ہی ہے کہ ان کی شاعری زمانہ کا اقتضاء
ہے، اس لئے اگر وہ واقعی زمانہ کی کسی ضرورت کو پورا کرتی ہے تو
اعتراض فضول ہے، لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر قدیم و جدید کی بحث
چھیڑنے کی کیا ضرورت؟
جس حد تک ٹکنک کا سوال ہے، میں ردیف و قافیہ کی پابندی
کو ضروری نہیں سمجھتا، اگر اس پابندی کو ترک کرنے کے بعد واقعی کوئی

کام کی چیز سامنے آتی ہے۔ لیکن وزن و آہنگ کو بیشک ضروری جانتا ہوں، کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو اسے نثر سے ممتاز کرتی ہے، اسی کے ساتھ ایک چیز اور بھی ہے، جسے کبھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، اور وہ اسلوب بیان ہے!

اگر انداز بیان الجھا ہوا ہے تو شعر کی فنی و افادی دونوں حیثیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس نوع کی مرموز شاعری معمہ و چیستاں کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھتی!۔ عُریانی اور الحاد کے متعلق بھی میرا نظریہ آپ سے مختلف ہے، میں ان دونوں باتوں کو بُرا نہیں سمجھتا، اگر ذوق و وجدان مجروح نہیں ہوتے، لیکن یہ بے بڑی مشکل بات، کیونکہ شاعری، نفرت، انتقام، غصہ اور گندگی کو برداشت نہیں کر سکتی، اور آج کل کی عُریانی اور الحاد کوش شاعری میں گندگی بھی ہے، اور جذبۂ نفرت و انتقام بھی!

ترقی پسند شاعروں کی جماعت میں بعض ایسے بھی ہیں، جن میں شاعری کی بڑی زبردست صلاحیت پائی جاتی ہے، اس لئے بلا امتیاز سب کی مخالفت درست نہیں، آپ لکھئے جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں! میں نے آج تک کبھی ایسے مضمون کا جواب نہیں دیا، جو میری مخالفت میں لکھا گیا ہو، کیونکہ اس سے معاملہ طول پکڑ جاتا ہے، اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا!!

محبت پناہا، مودت دستگاہا!

نمیقۂ خلت و ودادِ پیشِ نظر ہے، اور یارائے اظہارِ جذبات مفقود! احساسِ فرض کے بعد اس سے عہدہ برآنہ سکنے کا احساس جتنا روح فرسا ہو سکتا ہے، اس کا علم جناب کو مجھ سے زیادہ ہوگا، اس لیے متوقع ہوں کہ جناب میری کوتاہیوں پر نظر فرما کر ان عظیم ذمہ داریوں سے سبکدوش کردیں گے! جن کو میرے ضعیف دست و بازو اب سنبھالنے سے عاجز ہیں!

کتاں کا "جولانکدۂ پرتوِ ماہ" ہونا اپنی جگہ قابلِ فخر سہی، لیکن "چاکِ کتاں" سے "نظارۂ ماہتاب" دلکشی کی ایسی معمولی داستان نہیں جس کو آپ سا صاحبدل سنے اور خاموش رہجائے — ہرچند اس گرانباری کا اتنا خوگر ہو چکا ہوں کہ اب آزادی کے خیال سے بھی دل کو رنج پہونچتا ہے، لیکن جب کشتی کا ڈوب جانا طے پا چکا ہے تو پھر دوسروں کو کیوں خطرہ میں ڈالوں، جو اپنی جان بچا سکتے ہیں وہ کیوں نہ اپنی جان بچائیں، میں ڈوبتا ہوں تو ڈوبوں!

یہ شکایت نہیں، بلکہ التجا ہے، آپ کو کیا خبر کہ وہ مجھ سے کتنے تنگ ہیں، اور میں کس قدر مجبور، بہر حال مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا کہ ان کا ایک ایک حرف صحیح و درست ہے، اور میری ساری داستان یکسر لغو و غلط! اس سے زیادہ معذرت خواہی اور کیا ہو سکتی ہے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، اور ہر سزا کا مستحق!

بندہ نواز ! اب کیا بتاؤں کہ میری اُن کی بے تعلقی کو کتنا زمانہ گزر گیا۔

عمرا شد نقش بندِ طاقِ نسیانیم ما !

اس لئے آپ وہ ذکر کیوں چھیڑیں، جو حکایتِ درد کے سوا کچھ نہیں، اگر آپ کا خط نہ آتا، تو مجھے یہ بھی نہ معلوم ہوتا کہ وہ زندہ ہیں، یا نہیں، ہیں تو اُن کے لئے کبھی کا مر چکا ہوں !

حالات سنکر سخت صدمہ ہوا، اور یہ جانکر کہ وہ اپنی "خستگی کی داد" اس سے چاہتے ہیں، جو ان سے زیادہ "خستۂ تیغِ ستم" ہے، کمال افسوس ہوا، مجھے بولنے کا حق نہیں ورنہ کچھ کہتا، خواہ وہ سنتے یا نہ سنتے، تاہم آپ سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ اُن کو کسی طرح یقین دلا دیجئے کہ جو راہ انھوں نے اختیار کی ہے وہ صحیح نہیں ہے !

یہ نہ آپ جانتے ہیں، نہ وہ، صرف میں جانتا ہوں کہ اگر عمرِ خضر و الیاس بھی اس آستانہ پر صرف کر دیجائے تو نتیجہ سوا خون تھوکنے کے کچھ نہ ہوگا !

رہا سوال میری ذات کا، سو میں اب بھی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں، بشرط آنکہ اُن کو اس کا علم نہ ہو- !

خط ملا   آپ کی چھیڑ کا جواب اتنی دور سے دینا ممکن نہیں، اور پاس آکر کچھ ہمت آپ نے کبھی کی ہی نہیں، اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ

"شوخی و دلبری" آپ کا حصہ ہے، اور اس فن میں آپ کا جواب نہیں۔
آپ نے میری بات کا نہایت مجمل جواب دیا، میں نے عرض کیا "سمجھا نہیں"
آپ نے "گوش ناشنوا" کا الزام دیا، اور اب جو میں کہتا ہوں کہ اس
صورت میں چاہیے" دونا ہو تو التفات" تو آپ ہنستی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا
چاہیے کہ اس مرتبہ سفر حیدرآباد کے سلسلے میں میرے بمبئی پہونچنے کا امکان
بہت قوی ہے اور اگر میں نے ذرا بھی ہمتِ پرواز سے کام لیا، تو "بامِ حرم"
ہی پر نظر آؤں گا۔ اس لئے اگر آپ بدستور مجھے "رشتہ برپا" رکھنا
چاہتی ہیں تو "صفیرِ قفس" کبھی کبھی سن لیا کیجئے، ورنہ کیا فائدہ کہ وہ
شخص جس نے اس وقت تک

جز بخلوت گاہِ اسرار تو نکشودہ نقاب

آپ کو "ساحلِ اپالو" کی کھلی فضا میں بے نقاب کرنے پر آمادہ
ہو جائے!

نمی ترسی ز آہِ آتشینم!

زمانہ بر سرِ جنگ ست یا علی مددے! سے کام نہیں چلتا۔ خود علی
کے زمانہ میں، یا علی کہنے والوں کی مدد کس نے کی تھی کہ اب آپ اس کی
توقع کریں!
آپ کے مسلک والوں میں مجھے غالب پسند تھا کہ اُس نے

"علی اللّٰہی" ہونے کا صرف وہ رنگین پہلو اختیار کیا، جسے وہ اپنی زبان میں:

بر لبِ یا علی سرائے، بادہ روانہ کردہ ایم

کہتا ہے ـــــ اے کسی انسان کو خدا ماننے کے بعد اگر اتنا فایدہ بھی نہ ہو، تو اپنی بندگی، اور اس کی بندہ نوازی، دونوں پر لعنت!

آپ جانتے ہیں، میں مذہب کا مطالعہ صرف تاریخی و علمی حیثیت سے کرتا ہوں، اور آپ کا مسلک صرف جذباتی و تفریحی ہے، اس لئے آپ سنجیدگی کو دخل دیکر کیوں میرا لطف ضائع کرتے ہیں، اور اپنا وقت!

آپ مجھ سے "کوئی تازہ واردات" پوچھتی ہیں! قیامت ہے! کیا اس سے سخت "واردات" کوئی اور ہو سکتی ہے،

کز شوق مُردم و بہ تماشا نیامدی

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس وقت آپ لکھنؤ سے گزرتی ہوئی دہلی جا رہی تھیں، تو میں بستر مرگ پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ وہ تو کہیئے کہ آپ ایسی "انسان کُش" ہستیوں کے جواب میں خدا نے کچھ "مسیحا نفس" ہستیاں بھی پیدا کر دی ہیں، ان میں سے ایک نے مجھے جِلا لیا، ورنہ آپ تو اپنا کام کر ہی چکی تھیں خیر، یہ تو سب مذاق تھا، لیکن تازہ ترین واردات یہ ہے کہ دلی کی خدمت میرے سپرد ہو گئی ہے، اور میں وہاں کے ابتذال سے چارج لینے کے لئے ۱۸ جولائی کو دہلی آرہا ہوں، ـ داخلہ پرائیویٹ ہے، اسلئے نہ کوئی جلوس نکلے گا،

نہ سلامی ہوگی، آپ کو یہ سنکر افسوس تو ہوگا لیکن کیا کیا جائے، خدا کو
یہی منظور تھا کہ آپ کی کافرسامانیوں کا جواب اسی طرح دیا جائے۔
اُسی دن شام کو حیدرآباد چلا جاؤں گا، اسلئے ممکن ہو تو اسٹیشن پر مل لیجئے!

ایک صاحب نے یہ مصرعہ پڑھا: "تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی"
دوسرے صاحب نے جو نہایت ہی متین قسم کے مسخرے واقع ہوئے ہیں
بہت آہستگی سے کہا ـــــ "جی ہاں، جیسی ہوئی صورت سے ظاہر ہے"
یہ گویا نثر میں مزاحیانہ تبصرہ یا جواب تھا، اس مصرعہ کا۔

بالکل اسی طرح میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم احباب کے مشورہ
بغیر وہاں پہونچ بھی گئے تو کیا؟ جیسے پہونچے ہو وہ خود تمہاری تحریر
سے ظاہر ہے!

برادر عزیز! ارادہ کی پختگی اور عزم کی استواری بہت
معقول بات ہے، لیکن غور و تامل اور عاقبت اندیشی بھی کوئی چیز ہے
یا نہیں؟ فوراً کسی بات کو عمل میں لے آنا، اور عجلت ان دونوں
میں بڑا فرق ہے!

بہرحال اب کہ تم وہاں پہونچ گئے ہو، یہ دوسری حماقت
ہوگی اگر گھبرا کر جلد واپس آگئے۔ یہی جانا اپنے آپ کو دریا میں ڈالدینا ہی
اگر ہاتھ پاؤں ہلا کر کوئی شخص ساحل تک پہونچ گیا، تو اس میں شک نہیں

وہ "جنتِ عدن" تک پہونچ گیا، لیکن اگر ہاتھ پاؤں جواب دے گئے تو پھر تحت الثریٰ کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں!

غنیمت جانو کہ اس زمانہ میں وہاں تمھیں سر چھپانے کی جگہ تو مل گئی، کچھ دن صبر و استقلال سے کام لے کر وہیں کام کرو۔ میں اپنے بعض احباب کو لکھ رہا ہوں، ان کا جواب آنے پر تمھیں اطلاع دوں گا!

خط ملا، حیرت ہے کہ تم ان کی شکایت کرتے ہو، اور صرف اس لئے کہ تم ان کی محبت کی تاب نہیں لا سکتے۔ بے وقوف ——

"ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند" ——

اقبال کا مشہور مصرعہ ہے

"محبت کے لئے دل ڈھونڈھ کوئی ٹوٹنے والا"

لیکن بیدلؔ اس سے زیادہ دل کش انداز میں یوں کہتا ہے:

"چو لا نگردہ پرتو ماہ اند کتانہا"

اس لئے اگر کسی کی نگاہ نے تمھارا انتخاب کر لیا ہے، تو تم کو فخر کرنا چاہیئے، نہ کہ شکایت! تمھیں نہیں معلوم کہ "دامانِ تار تار" کیا چیز ہے، اور اس کے اندر سے آفتاب کی جو شعاعیں گزرتی ہیں وہ کائنات کو اپنے ساتھ لے کر گزرتی ہیں!-

خرمنِ دل را ہماں شمعِ وفا باید نہ برق
خاطرِ پروانہ از ہر آتشے خورسند نیست

جی ہاں، میں واپس آگیا، لیکن اس حال میں کہ

شیشۂ طاقت بہ سنداں می زنم!

غالب اپنی ایک مثنوی میں خدا سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

یا مجالِ گفتن دہ، یا نہ گفتہ باور کن

میں آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں کہوں بھی تو آپ سنتے کب ہیں!

بہرحال آپ باور کریں یا نہ کریں، فی الحال میں قطعاً اس قابل نہیں کہ تعمیل ارشاد کر سکوں، میں نے پہلے بھی یونہی ضعیف سا وعدہ کیا تھا، آپ نے اُسے اگر نصوح کا سا عہد و پیمان سمجھا، تو یہ آپ کا حُسنِ ظن تھا!

دس بارہ دن کی غیر حاضری کی وجہ سے خود میرا کام اتنا پچھڑ گیا ہے کہ اس کا بر وقت لانا مشکل ہے، خطوں کا انبار سامنے ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرف سے شروع کروں۔ دیکھیے، اگر ہفتہ عشرہ کے بعد اطمینان نصیب ہوا، تو ممکن ہے، آپ کی برہمی کو دور کر سکوں۔ اس وقت تو میں خود اپنے آپ سے بیزار

ہوں، اور اُلجھ رہا ہوں!

بندہ نواز! کس قدر شرمندہ ہوں کہ گرامی نامہ کا جواب غیر معمولی تاخیر سے بھیج رہا ہوں، ممکن ہے آپ کچھ خیال نہ فرمائیں، لیکن میں خود اس کوتاہی کو محسوس کرتا ہوں، اور نادم ہوں۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ میں اس زمانہ میں اکثر و بیشتر باہر رہا، اور جب لوٹا تو حال یہ تھا کہ جسم کے ساتھ دل و دماغ بھی بیکار تھے، دو دن تو صرف اس سوچ میں بسر ہو گئے کہ کیا واقعی میں حیدر آباد گیا تھا، اور گیا تھا، تو زندہ کیونکر واپس آسکا! خود میں نے سفر بہت آرام سے کیا، لیکن دوسروں کی حالت دیکھ دیکھ کر میرے اعصاب میں بارہا ایسا تشنج پیدا ہوا کہ اب کیا عرض کروں۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل سفر کرنا جہاد ہے، لیکن جہاد بھی وہ جس میں انسان صرف شہید ہو سکتا ہے، غازی نہیں بن سکتا مشکل سے ایک ہفتہ کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ ڈاک دیکھ سکوں، اور ڈاک دیکھنے کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کو خط لکھنے بیٹھ گیا، خیر یہ معذرت معقول ہو یا نامعقول، مجھے کرنا ہی تھی، اب میں اصلی مدعا کی طرف آتا ہوں۔

آپ کا مشورہ یقیناً بہت صائب ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کی صورت کیا ہو سکتی ہے، آپ نے غالباً مجھے رستم و اسفندیار سمجھا ہے! کہ اس ہفتخوان کے طے کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ میں صرف "قالین" کی حد تک شیر ہوں، اس سے آگے کچھ نہیں!

وہ شخص جو مہینوں سے گھر سے باہر نہ نکلے، اور جو سیاسیات کو بھی صرف کرسی کی چیز سمجھے، اس سے آپ یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنے یا کسی اور کے لئے در بدر کی خاک چھانتا پھرے گا! میں آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا، اس لئے صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ مجھ سے قطعاً اس ایثار کی امید نہ رکھئے! میں جی رہا ہوں یہی کیا کم ایثار ہے کہ اس پر کسی اور اضافہ کی خواہش کی جائے۔!

اے، خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ فطرتاً بہت رحم دل ہیں، ورنہ اس وقت تم خدا جانے کہاں ہوتے! یہ حماقت نہیں بدتمیزی تھی، اور بدتمیزی کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا، لیکن خیر تم بچ گئے!

بنام علی بُردہ پناہ

ورنہ "ذوالفقارِ علی" تو خیر کیا، لیکن "تیشۂ فرہاد" ضرور تمہارے ہاتھ میں ہوتا اور اس وقت تم کہیں کوہ کنی کرتے ہوتے! ہاں — تم سے یہ کس نے کہدیا کہ تم سے روٹھ کر ان کا جینا محال ہے۔ آپ ہیں ایسے "رشکِ یوسف" کیا کہنا ہے، کسی کے اخلاق کو فطری کمزوری سمجھ لینا، محبت کی دنیا میں اور زیادہ گناہ ہے، شریف انسان محبت کرنے

والے کے سامنے اور زیادہ جھک جاتا ہے، لیکن تم ہو کہ اینٹھتے ہی جاتے ہو، سچ تو یہ ہے کہ تم بُرے، تمہاری فطرت بُری، لیکن قسمت اچھی پائی ہے نبھتی چلی جارہی ہے، ورنہ تم تو اس قابل تھے کہ تمکو قطب مینار کی چوٹی پر لے جاکر وہاں سے ڈھکیل دیا جاتا۔!

بندہ نواز، "ما لہ وما علیہ" دیکھ کر آپ جس نتیجہ پر پہونچے ہیں! وہ یقیناً درست ہے۔ شاعری کے باب میں میرا نظریہ صحیح ہو یا غلط، ہے ذرا دشوار پسند! اگر شاعری کا مقصود صرف ایک بات کہدینا ہے قطع نظر اس سے کہ وہ بات کس انداز سے ظاہر کی گئی ہے، تو پھر نہ صرف شاعری بلکہ محاورۂ زبان کے قیود بھی بیکار ہیں!

ایک بار اکبر الہ آبادی مرحوم کے مکان پر دو صاحب تشریف لائے، ایک وہیں الہ آباد کے دوسرے پٹنہ یا بنگال کے، میں بھی موجود تھا، پٹنہ والے کہتے تھے کہ "ہاتھی آتی ہے" کیوں غلط ہو جبکہ اس میں یائے تانیث موجود ہے۔ الہ آبادی حضرت کہتے تھے کہ اہل زبان کا محاورہ قاعدہ کا پابند نہیں ہوسکتا۔ اکبر الہ آبادی نے الہ آبادی صاحب سے خطاب کیا کہ "اگر کوئی شخص "ہاتھی آتی ہے" کہے تو آپ اس مطلب سمجھ لیں گے، یا نہیں" انھوں نے کہا کہ "ہاں" اکبر مرحوم نے کہا "تو پھر جھگڑا کیا ہے، زبان کا مقصود صرف مخاطب کو اپنا مدعا سمجھا دینا ہے،

اور یہ اس طرح پورا ہو جاتا ہے۔"

لیکن یہ فیصلہ صرف عوام کی زبان سے متعلق ہے، خواص کی زبان اور شاعری سے اس کا کوئی تعلق نہیں، شاعری نہایت نازک آرٹ ہے اور جب تک ہم اس کی تمام خصوصیات کا لحاظ نہ رکھیں، اس کو مکمل نہیں کہہ سکتے، بہترین نقش وہ ہے جس میں کسی ایک خط یا ایک نقطہ کا بھی حذف و اضافہ نہ ہو سکے! اسی طرح بہترین شاعر وہ ہے جو فنی و جذباتی لحاظ سے کسی تغیر و تبدل کا متحمل نہ ہو، جس طرح نقش میں مختلف رنگوں سے گلکاریاں کی جاتی ہیں، اسی طرح شاعری میں تشبیہات و استعارات سے رنگینیاں پیدا کی جاتی ہیں، اور رنگوں کا استعمال آسان نہیں! وقت، موضوع، اور رعایت کے لحاظ سے ان کے امتزاج کا انداز اور اثر انداز ہی کی غرض سے ان کے مختلف (SHADES) نقش و شعر دونوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ رہا انداز بیان سو وہ اور زیادہ اہم ہے، کیونکہ اس کو شاعری میں وہی درجہ حاصل ہے جو نقش میں زاویا کو، اگر نقش میں زاویا کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو وہ بالکل (FLAT) ہو کر رہ جائے گا ـــــــ اگر شاعری میں انداز بیان کی ندرت و پاکیزگی ملحوظ نہ رہی تو وہ نثر ہو جائے گی!

یہ بالکل صحیح ہے کہ ایک شاعر، بسا اوقات اپنے جذبات و تاثرات سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے الفاظ پر غور کرنے کا اہل نہیں رہتا

اور سمجھتا ہے کہ جس طرح میں اپنے شعر پڑھکر اپنا مافی الضمیر جان لیتا ہوں
اسی طرح ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیئے، لیکن ایسے مغلوب الحال لوگ
تصوف میں بھی کوئی مرتبہ نہیں رکھتے، اور شاعری میں بھی ان کو ناقص سمجھا
جاتا ہے، ایسی شاعری مجذوبانہ کیفیت تو بیشک رکھ سکتی ہے، لیکن
سالکانہ نہیں!

نثر و شعر میں واقعی فرق ہے، لیکن مقطوع و مجروح قسم کی نثر کو
شعر کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے، آج کل ایک اصطلاح "اشاریت"
پیدا ہوئی ہے، لیکن یہ کوئی نئی چیز نہیں، کنایہ، استعارہ اور بیان مجاز
ہماری شاعری میں ہمیشہ پایا گیا ہے اور "اشاریت" کے حدود ان
سے آگے نہیں بڑھ سکتے، ابہام و اہمال کو ہمیشہ بُرا سمجھا گیا ہے اور
سمجھا جائے گا! خواہ وہ نتیجہ اشاریت کا ہو یا استعارہ و کنایہ کا۔

اساتذۂ قدیم میں مومن کے یہاں یہ "اشاریت" کہیں کہیں
معمہ و چیستان کی حد تک نظر آتی ہے، لیکن یہ کوئی عمدہ بات نہیں، اور
اس درجہ سے مومن کی کافی قدر نہ ہوسکی، مومن کی خصوصیت جو کسی اور سے
نہ نبھ سکی، عام واردات محبت کے اظہار میں اس کی تلخ حقیقت نگاری تھی
اسلوب بیان کے لحاظ سے غالب کا ہمسر کوئی نہیں ہوا، وہ ایسے اچھوتے
زاویئے تلاش کرتا ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے، پامال یا گھٹیا بات بہت کم
اس کی زبان سے نکلتی تھی۔!

اس میں شک نہیں کہ نہ صرف غزل گوئی، بلکہ عام شاعری قدیم ٹکنک اور فرسودہ اندازِ بیان کے لحاظ سے بار خاطر ہو چکی تھی اور اس میں یقیناً تبدیلی کی ضرورت تھی، چنانچہ ہوئی یہاں تک کہ آج کل نو مشق شعرا کے کلام میں بعض بعض اشعار ایسے نظر آ جاتے ہیں کہ انسان چونک پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ نئے تاثرات و تجربات کے اظہار کے لئے زبان و اندازِ بیان میں بہت سی جدتیں کرنا پڑیں گی، لیکن "جدت محض" کوئی اچھی چیز نہیں، اگر اس سے مقصود پورا نہیں ہوتا۔ مقصود پورا ہونے سے میرا مطلب یہ ہے کہ جو ہم کہتے ہیں، اُسے دوسرے سمجھ بھی لیں، اور اسی کے ساتھ شعر کی فنی خصوصیات بھی مجروح نہ ہوں۔ میں آزاد شاعری کا مخالف ہوں، نہ نظم معرّا کا، مجھے اختلاف صرف ابہام و اہمال سے ہے اور اس بات سے کہ جو بات جس طرح کہنی چاہئے، اُسے اس طرح کہا جائے، بہر حال شاعری جدید ہو یا قدیم، میں اس میں لفظ و معنی دونوں حیثیت سے بہت پختگی، خوش سلیقگی اور صفائی چاہتا ہوں، یہ میرا فطری ذوق ہے، حتےٰ کہ بستر کی چادر میں اگر ذرا بھی شکن ہو تو مجھے کبھی نیند نہ آئے گی اور خشکہ کو مزعفر و بریانی سمجھنے پر کبھی راضی نہ ہوں گا!

ہر چند خود میں نے شعر کہنا عرصہ سے چھوڑ دیا ہے، لیکن مطالعۂ شعر کا ذوق اب تک نہیں چھوٹا، پھر باوجود اس کے کہ قدیم رنگ مجھے پسند نہیں۔ مکمل شعر اسی میں ملتے ہیں، اور جدید شاعری میں باوصف بے شمار ندرتوں کے بہت کم ایسے شعر نظر آتے ہیں، جن کو ہر لحاظ سے مکمل کہا جائے۔

اس کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ لفظ و معنی میں توازن قایم نہیں ہوتا، اور کلاسکل لٹریچر کا گہرا مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے آج کل کے نوجوان شعراء کا کلام کچھ اُکھڑا اُکھڑا سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ عیب یہیں نہیں بلکہ ایران کے نوجوان شعراء میں بھی پایا جاتا ہے!

اسی کے ساتھ ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ نظم گو شعراء کے ساتھ تو خیر کچھ رعایت بھی ہو سکتی ہے، لیکن غزل گو شاعروں کا فنی یا تغزلانہ خصوصیات سے ہٹ کر کچھ کہنا کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ غزل اچھی ہو گی یا بُری، اس کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں، اس لئے وہ کہنہ مشق شعراء ـــــ جن میں اب اچھی غزل کہنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی، ان کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ غزل گوئی ترک کر دیں۔ ہر چیز کی ایک عمر ہوتی ہے، اور ہر بات کا ایک موسم، اس لئے جب وہ عمر و موسم ختم ہو جائے تو بے سُرا الاپنے سے خاموش رہنا ہی بہتر ہے!

القاب و آداب تو اس وقت لکھوں، جب اس کا یقین ہو کہ یہ خط آپ تک پہونچے گا بھی یا نہیں۔ آپ کا نام تو ایک ادبی جھگڑے کے سلسلہ میں سُن چکا تھا، لیکن کام اب آپ کتاب "ـــــ" کی صورت میں سامنے آیا ہے، ریویو تو خیر رسمی چیز ہے، ہو ہی جائے گا؛ لیکن میں تو آپ سے کچھ غیر رسمی باتیں کرنا چاہتا ہوں، اس لئے آپ

جہاں ہوں پکار لیجئے!

عزیز من! آپ کے خط نے مجھے اب سے اٹھائیس سال قبل کی یاد دلا دی، جب میں دہلی میں تھا کبھی کبھی رات کو ایک ضعیف فقیر خواجہ میر درد کی یہ غزل نہایت موثر لہجہ میں گاتا ہوا میرے مکان سے آہستہ آہستہ گزر جاتا تھا:

تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے — کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

یہ وہ زمانہ تھا، جب خلیقی، عارف، بیدل اور مولانا راشد اور کوچہ حکیم بقا کے حکیم مجیب الدین زندہ تھے، اور ان کی پُر لطف صحبتوں میں مجھے دلی اب سے زیادہ زندہ نظر آتی تھی، میرے مکان پر ایک صحبت برپا تھی، رات کا وقت تھا، ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، بجلی بھی کبھی کبھی چمک جاتی تھی، اور بیدل کے لطائف جاری تھے کہ وہی فقیر درد کی غزل گاتا ہوا گزرا۔ ساری خوش طبعی ختم ہوگئی، اسے بلایا، اور گفتگو نے وہ موضوع اختیار کر لیا، جس کے مولانا راشد مرحوم مالک تھے!

دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ تیمور یہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا،

اور اب نان شبینہ بھی اسے میسر نہ آتی تھی، مولانا تو اسی وقت کاغذ قلم لیکر کچھ لکھنے بیٹھ گئے'' اور ہم سب اشک آلود ایک دوسرے سے رخصت ہوئے!

میں دہلی آؤں بھی تو کس کے پاس، میری دلی تو ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ البتہ ایک واحد ہی رہ گئے ہیں سو ان کی حیثیت بھی نشانِ مزار کی سی ہے'' اور ان کو دیکھکر اور دل دُکھنے لگتا ہے!

بندہ نواز! غالب کا فتویٰ یہ ہے کہ " جو غم کی تاب نہ لا سکے وہ راز داں نہیں بن سکتا۔" لیکن میں تو شاید ایسا نہیں ہوں۔ پھر یہ احتیاط کیوں؟ ——— غالباً اس لئے کہ غم کی تاب لانا شریک غم ہونا تو نہیں؟ لیکن آپ کو اس کی ضرورت ہی کیا ہے!

آپ تو ——"ہمیں میداں، ہمیں چوگاں، ہمیں گوئے" قسم کے انسان ہیں "قضیۂ زمین بر سر زمین" طے کرنے والے ——— یہ فکر تو وہ کرے جو فردا کا غم پالے، نہ کہ آپ جن کی زندگی نام ہے صرف آج کا ——!

میں نتیجہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں، لیکن نتیجہ سے پہلے جو کچھ ہوا، یا ہونے والا ہے، اس کا حال ضرور سننا چاہتا ہوں ——صرف لطف کیلئے اور اجازت ہو تو آپ کو داد دینے کے لئے بھی!

تم بسا اوقات اتنا پریشان کر دیتے ہو کہ بے اختیار اپنا منہ پیٹ

لینے کو جی چاہتا ہے ۔ ایک بار نہیں ہزار بار لکھ چکا ہوں کہ تمہاری خواہش پوری کرنا میرے امکان سے باہر ہے، لیکن تم اسے بہانا سمجھتے ہو۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ میری بات ٹال نہیں سکتے، اور اگر ایسا ہو بھی تو کیا سمجھ کر تمہاری سفارش کروں۔

اگر تم شاعر بھی مکمل ہوتے، تو خیر ایک بات تھی، لیکن شاعری تمہارے یہاں نام ہے اُلجھے ہوئے بال، بڑھے ہوئے کثیف ناخن، گندے لباس، پاچھوں تک پھیلی ہوئی پان کی سُرخی، منھ سے بیڑی کے بھبکوں، اور ایک ایک ہفتہ تک منھ نہ دھونے کا ——— پھر تمھیں بتاؤ کہ جب خود مجھے تمہاری صورت و صحبت گوارا نہیں، تو ایک غیر شخص جسکو تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکر پسند کرے گا!

میں جانتا ہوں، تم سے دُنیا میں کوئی کام نہ ہوگا، اس لئے شکر کرو جب تک بیکار جینے کی فرصت تمھیں حاصل ہے ورنہ جو کچھ نہ کرسکے اس کے لئے اب دُنیا میں جگہ کہاں!

کیا عرض کروں، آپ نے کس وقت مجھے یاد کیا۔

کمند کوتہ و بازوے سست و بام بلند

اور پھر لطف یہ کہ "نا امیدی" میرے لئے گناہ!

آپ کی ہمت افزائی و دلداری کا لفظ میں نے قصداً استعمال

نہیں کیا کہ نہ میں اس کا مستحق، نہ آپ اس کی عادی، کا شکریہ ادا ہو سکے یا نہ ہو سکے، لیکن مجھے تو اس کی کوشش کرنا ہی ہے۔ اور اگر آپ کی خوشی یہی ہے کہ میں کمزوری کا اعتراف کر ہی لوں، تو لیجئے، یہ دستاویزِ اعتراف حاضر ہے، اس سے زیادہ اگر کچھ اور منظور رہے تو وہ بھی فرما دیجئے

کہ خیالت وہر آئینہ جاں بزاصیقل!

میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں کہ اگر آپ نے کبھی یہ الزام قایم کر دیا کہ آپ کے غم میں، میں مرکیوں نہ گیا تو پھر اعتراف و معذرت کی بھی گنجایش باقی نہ رہے گی!

سنئے صاحب! مجھے تعمیل ارشاد میں عذر نہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ میں کہتا رہوں، اور آپ سنتے رہیں۔ میں آپ کی ایک نہ سنوں گا، اور اگر جنبش مژگاں تک کی زحمت مجھے دی گئی، تو فوراً لوٹ آؤں گا، اس میں شک نہیں وقت ضائع کرنا بھی بڑے لطف کی چیز ہے، لیکن اس کا تعلق اگر موت سے نہیں تو زندگی سے بھی نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان اس حالت سے ہے جسے انتہائی بے حسی کے عالم میں صرف ہاتھ پاؤں ڈال دینا کہہ سکتے ہیں۔ پھر اگر یہ فرصت مجھے آپ کے پاس بھی نصیب نہ ہوئی، تو میرا زاویہ

خلوت کیا بُرا ہے، جہاں کام کرنے کے بعد بھی میں ہمیشہ یہی محسوس کرتا رہتا ہوں کہ مجھے کوئی کام نہیں۔ آپ ہی کیوں نہ تکلیف فرمائیں!

کس قدر عجیب بات ہے کہ جب میں مایوس ہوکر "ترکِ وفا" پر آمادہ ہوتا ہوں، ٹھیک اسی وقت پھر آپ کا خط آجاتا ہے، اور میں پھر فریب میں مبتلا ہوجاتا ہوں، میں پوچھتا ہوں کہ یہ کھیل آخر کب تک کھیلا جائے گا!

یا تو بیگانہ ہی رہیے، ہوجیے یا آشنا
یہ ادا کیا، آشنا گاہے، گہے ناآشنا

اس میں شک نہیں کہ جب کوئی خاص مدعا نہ ہو تو خط لکھنے کا سوال بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ لکھئے کیا؟ "ذوقِ خامہ فرسا" اور "عشق نامِ لیلیٰ" کا زمانہ تو ہے نہیں کہ چاہنے والا صرف اتنا کہہ کر بھی سب کچھ کرسکتا تھا، کہ — "ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے"— اب اگر کوئی اس دورِ نکتہ چینی میں ایسا کہے تو اُسے "برائے نام عاشق" کہیں گے!

بہرحال یہ عذر آپ کا واقعی معقول ہے کہ صرف "خیریت" کا خط لکھنا ہی کیا، لیکن اگر یہی عذر میری طرف سے ہو تو آپ فوراً کہہ دیں گی کہ "خیریت" آخر ہے کیوں۔ محبت کرنے والوں کی دنیا میں

؛ چیز پائی کب جاتی ہے۔ جس کا ذکر کیا جائے، اس کا جواب میں کیا۔ افلاطون بھی نہیں دے سکتا جس کی " (PLATONIC LOVE) " کا ذکر آپ نے بھی سُنا ہوگا، اس لئے کیا کروں، مجبور ہوں، اور پھر عہد وفا استوار کئے لیتا ہوں۔ "فکر تعمیر نہیں، ماتم تخریب سہی!

نیاز نوازا! خط پڑھکر آپ کی تصویر سامنے آگئی، اور وہ زمانہ یاد آگیا، جب آپ کبھی کبھی کرم فرماتے تھے، اور مجھے اپنے جذبات خلوص کی فراوانی سے مرعوب کردیا کرتے تھے، آپ کو معلوم نہیں کہ میں ہمیشہ "کشتۂ دوست" رہا ہوں، اور اس لئے ان تمام احباب سے بہت ڈرتا ہوں جو مجھ سے واقعی محبّت کرتے ہیں!

جب آپ یہاں تھے، اس وقت بارہا جی چاہا کہ آپ کی "ادائے تسلیم" کے سامنے ایکبار سربسجود ہوکر اس حجاب کو اٹھا دوں، جو مجھے کھل کر یہ بھی نہ کہنے دیتا تھا کہ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔ لیکن جب آپ یہاں سے مئو چلے گئے اور اتنے خفا ہوکر گئے کہ لکھنؤ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے! تو مجھے افسوس بھی ہوا، اور خوشی بھی، افسوس تو اس بات کا کہ وہ چیز" جو دل میں رکھنے کی تھی" اب کہاں ملے گی، اور خوشی اس لئے کہ آپ کے خلوص کا بار کچھ تو ہلکا ہوگیا، میں نے اکثر سوچا کہ معلوم نہیں آپ ان لوگوں کے لئے کیا ہوں گے، جن سے آپ بے تکلف ہیں

اور پھر اس خیال سے کہ یہ بڑے خطرہ کی بات ہے، ہمیشہ ٹالتا رہا۔ اور یہ میں اب کہہ رہا ہوں، جب کہ آپ سے ملنے کی غالباً کوئی صورت اس زندگی میں باقی نہیں، ورنہ شاید اتنا بھی نہ کہہ سکتا!

معاف کیجیے اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی آپ کی کسی بات کا جواب نہ دے سکا، اور جواب دوں بھی تو کیا!

دوست بود می شکوہ سر کردم وے جرم تو نیست
کانیہمہ بیداد بر من از دل تنگ من ست

(۲) انجذاب و جذب میں کھنچنے اور کھینچنے کا فرق ہے۔ اردو زبان میں جذب و انجذاب دونوں کیفیات پائی جاتی ہیں، وہ اس لئے کہ دوسری زبانوں سے متاثر ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہ دوسروں کو متاثر بھی کرتی ہے!

(۳) آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر کرکے مجھے افسردہ کر دیا، کیونکہ میں جانتا ہوں، آپ آئیں گے نہیں اور آپ کے وعدہ پر اعتماد نہ کروں تو کیا کروں!

خوش رہیئے

حضرت! آپ کی بندہ نوازی میں کلام نہیں، لیکن مجھے فکر یہ ہے کہ اگر کسی وقت آپ نے یہ جان لیا کہ میں واقعی آپ کے "بندگانِ فرمانبردار"

میں سے نہیں ہوں، تو آپ کو کتنا افسوس ہوگا !

میں نے کبھی آپ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا، اور آپ نے ہمیشہ مجھ پر لطف فرمایا، شاید اس لئے کہ میرا اختلاف آپ کے نزدیک محض تفنن ہے، اور میں دل سے وہی ہوں جو آپ سمجھتے ہیں۔ لیکن آج میں نہایت صفائی کے ساتھ آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یوں تو میں آپ کا نہایت ادنیٰ خادم ہوں، لیکن اگر آپ کی خدادندی کا مطالبہ یہ ہے کہ اپنا دل و دماغ بھی آپ کے اختیار میں دیدوں، تو یہ میرے امکان میں نہیں — یہ سب کچھ میری "سیہ بختی" سہی، لیکن ہے، میری اپنی، اور اس لئے مجھے اس "نورِ باطن" سے زیادہ عزیز ہے، جو کسی اور سے مستعار لیا گیا ہو۔

آپ خدا کا ذکر میرے سامنے اس طرح کرتے ہیں، گویا میں نے کبھی نام ہی نہیں سُنا، حالانکہ سُننے سے زیادہ میں نے اُس کو سمجھا ہے اور اس لئے میرا خدا بھی سب سے الگ ہے، اور میرا آئینِ بندگی بھی سب سے جُدا :

عکس اُفتادہ در آئینۂ ہوشس !
گُل تواں گفت و لے چیدن نیست !!

میں اس باب میں جس منزل سے گزر رہا ہوں، وہ وہی ہے جو درویشوں میں صابر کلیری کی تھی، اور شعراء میں بیدلؔ کی۔ یعنی صرف "اظہار

عجز و سکوتِ حیرت" ، جبکہ نیایش و بندگی ، اور اطاعت و عبادت سب کا سوال اٹھ جاتا ہے

زاہدی نمی دانم تقوے نمی خواہم
سینہ صافیٔ دارم نذرِ دردِ نوشیہا

آپ لوگ خدا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں، گویا اس کے حضور میں آپ کو روز شرفِ باریابی حاصل ہوتا رہتا ہے، اور اس کے کاروبار کا علم آپ کو پوری طرح حاصل ہے، اور میرے یہاں خدا کا نام ہے صرف اپنے احساسِ نارسائی کا، محض اس علم و یقین کا کہ ہم کو اس کی حقیقت کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا مذاہبِ عالم کا نظریہ سو اس باب میں میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے جو تصورِ خدا کا پیش کیا ہے، وہ تصورِ خدا کا نہیں، بلکہ اظہار ہے اُن ذہنیتوں کا جو اختلافِ قومیت و مرز بوم کے لحاظ سے دنیا میں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں!

آپ مجھے اسلام سے بیگانہ بتاتے ہیں، شاید ایسا ہی ہوگا، لیکن اگر اسلام نام ہے تمام مادیات سے گزر جانے کا، تو پھر مجھے بھی ان محراب و منبر کے جھگڑوں سے گزر جانے پر ملامت نہ کیجیے، اور اگر یہ قید ضروری ہے تو پھر کبھی کبھی مندر میں بھی سر بسجود ہو جانے کی اجازت دیجیے، کیونکہ اگر خدا کہیں نہیں ہے، تو اس کی پرستش خواہ مندر میں ہو یا

مسجد میں، بیکار سی بات ہے، اور سر پھوڑنے کے لیے پتھر کی قید کیا —،
بت و محراب دونوں ایک ہیں:

مقامِ وصل نایاب ست در راہِ سعی ناپیدا
چہ می کردیم یارب گر بتوئے نارسیدیما

ذرہ نوازا! میرا وجود یکسر "خطا و معصیت" سہی لیکن آپ کی ذات بھی تو یکسر "لطف و درگزر" ہے —— اس لئے گناہ کرتا ہوں اور مطمئن ہوں!

میں حد درجہ شرمسار ہوں کہ آپ کے فرمان کی تعمیل اس وقت تک مجھ سے نہ ہو سکی، لیکن کیا عرض کروں کہ اس دوران میں کن کن مصائب کا سامنا رہا۔ پھر یہ بھی حضرت کی محبت کا صدقہ تھا کہ میں ان کو جھیل گیا، ورنہ بظاہر ہی کی نباہ کی کوئی صورت تھی نہیں۔ بہر حال اب میں اس حال میں ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، اُسے سمجھوں اور اجازت ہو تو کچھ عرض کروں!

آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی تعمیل میرا فرض ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی شان یقیناً اس سے بلند ہے کہ ایسے پست حریف کے مقابلہ میں آئیں، سوائے عفو و درگزر کا نہیں، کیونکہ وہ تو اس قابل بھی نہیں، بلکہ بے خبرانہ و بے نیازانہ گزر جانے کا ہے —— کہاں

وہ جس کا پیشہ ہی مکر و ریا ہے اور کہاں آپ کہ :

انچہ در سینہ نہان ست بہ سیما بنید

آپ نے یہ کیونکر جانا کہ دنیا حقیقت سے بے خبر ہے" اور اگر ہو بھی تو آپ کی بلا سے! آپ دوسروں کے اخلاق درست کرنے کے لئے اپنے اخلاق کو کیوں خراب کریں!

صدیق محترم! خط ملا، نہ پوچھئے کتنی مسرت ہوئی، اب تو کوئی شخص بیدل کا ذکر کر دیتا ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ" صدائے الست" معلوم نہیں کتنی دور سے آرہی ہے۔ حال ہی میں ایک صاحب تشریف لائے تھے، وہ بھی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے بیدل کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں، مجھ سے مدد و مشورہ کے طالب تھے، وہ کہتے رہے، میں سنتا رہا، اور جب آخر میں، میں نے اُن سے فرمائش کی کہ بیدل کا کوئی شعر سنایئے جو آپ کو بہت پسند ہو، تو معلوم ہوا کہ حضرت نے صرف بیدل کا نام ہی سُنا ہے اور اس کا کلام دیکھنے کی نوبت کبھی نہیں آئی، میں نے پوچھا کہ آپ اپنا مقالہ کب تک پیش کرنا چاہتے ہیں، فرمایا" سال آئندہ" — میں نے جواب میں بیدل کا یہ مصرعہ انھیں سنا دیا:

زشبنم بخیہ نتواں کرچاکِ دامنِ گُل را

اور خاموش ہو رہا ۔!

آپ سے مگر میں ایسی باتیں نہیں کرسکتا، کیونکہ آپ کے مطالعہ و ذوق دونوں سے واقف ہوں!

سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یہ ہے کہ بیدل کے کلام کی جستجو کی جائے، عرصہ ہوا نولکشور پریس نے اس کا کلیات اور مجموعۂ نثر جس میں چہار عناصر اور نکات بھی شامل تھے، طبع کیا تھا، اور ہر چند وہ مکمل نہ تھا، لیکن اب یہ نامکمل اڈیشن بھی نہیں ملتا۔ نولکشور سے پہلے مطبع صفدری بمبئی نے ۱۲۹۹ھ میں ایک مجموعہ شائع کیا تھا، اور وہ نسبتاً زیادہ مکمل تھا۔ مگر اب وہ بھی نایاب ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان کے کتب خانوں میں کہاں کہاں اس کی تصانیف کے مخطوطات مل سکتے ہیں۔ مگر ہوں گے ضرور! جس زمانہ میں میرا قیام حکیم اجمل خاں مرحوم کے پاس تھا، اس وقت ان کے کتب خانہ میں ایک قلمی نسخہ بیدل کا دیکھا تھا، جس میں بہت سی چیزیں مطبوعہ نسخوں سے زیادہ تھیں معلوم نہیں یہ نسخہ اب بھی موجود ہے یا نہیں!

نثر میں اس کی تین چیزیں ہیں، نکات، چہار عناصر اور رقعات، لیکن ان میں بھی ہزاروں اشعار پائے جاتے ہیں! باقی اس کا تمام کلام منظوم ہے، جس کے شعروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے! اس کے دیوان میں بھی تیس ہزار اشعار سے کم نہیں، لیکن

لیکن اس کی دوسری تصانیف میں بھی غزلیں اتنی کثرت سے پائی جاتی
ہیں کہ اگر ان سب کو اکٹھا کر لیا جائے تو اس کے دیوان کا حجم دو چند
ہو سکتا ہے۔

میرے پاس وہی بمبئی والا نسخہ ہے، اس میں سب سے پہلے مثنوی
عرفان درج ہے، اور پھر مثنوی طور معرفت، اس کے بعد، نکات، اشارات،
رقعات، چہار عناصر، مثنوی محیط اعظم، غزلیات، رباعیات، مثنوی طلسم
حیرت، قصاید فیوض ہیں، اور گو میں جانتا ہوں کہ یہ نسخہ ناقص ہے، تاہم
اس میں بھی جو کچھ ہے، وہ اتنا ہے کہ ایک شخص پوری عمر صرف کرنے کے
بعد بھی اس کا مطالعہ ختم نہیں کر سکتا ـــ پندرہ سال کی عمر سے اس
وقت تک بیدل کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن اس سمندر سے ایک قطرہ
بھی نہیں اٹھا سکا۔ بیدل کا ذوق انسان میں عجیب قسم کا ذہنی استغنا
پیدا کر دیتا ہے، اور وہ اس کی ہر چیز سمجھ لینے کے لئے اس کے کلام کی
بیتابانہ ورق گردانی کرنے لگتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کی
کسی خصوصیت کو نہیں پہچان سکتے!

میری رائے میں سب سے پہلے چہار عناصر کا مطالعہ کرنا چاہیئے
کیونکہ اسی سے کچھ پتہ بیدل کی زندگی کا بھی چلتا ہے، نیز یہ کہ کن واقعات
و حالات سے وہ کیونکر متاثر ہوا، اس کے بعد نکات پڑھنا چاہیئے۔ اور
اگر زندگی وفا کرے تو پھر اس کی مثنویوں کی تلاوت کرنا چاہیئے۔ کہ بیدل

کی شاعری کا کمال انھیں سے ظاہر ہوتا ہے !

بیدل کا کلام اپنے پیام کے لحاظ سے یکسر غیر ممنوع ہے، اور زبان کے لحاظ سے بھی درس و تدریس کی چیز نہیں، لیکن اندازِ بیان اور نزاکت تخیل کے لحاظ سے وہ یقیناً اس دنیا کی چیز نہیں۔ بیدل ہی دنیا کا سب سے پہلا، اور آخری شاعر ہے، جس کی زبان اس کی تخییل نے پیدا کی اور تخییل ماورائی ادراک نے۔

اگر کبھی لکھنؤ آنا ہو تو تکلیف فرمائیے، یہ باتیں زبانی کرنے کی ہیں، خط و کتابت سے طے کرنے کی نہیں !

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ سے خفا ہوں — ہنسیے نہیں ذرا ٹھہرئے — آپ دل میں سوچتے ہوں گے کہ میں، کیا اور میری خفگی کیا — بالکل درست، لیکن

میں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم !

شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند !

میں آپ سے محبت کرتا ہوں، اور اس لئے یہ سمجھنے کا حق رکھتا ہوں کہ آپ کو میری خفگی سے ڈرنا چاہیے !

میں نے کئی بار لکھا کہ ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے لیکن آپ نے انکار بھی نہیں کیا، اور آئے بھی نہیں — گویا یہ

سب کچھ مذاق تھا، بہر حال اب بھی تلافی کا وقت باقی ہے، اگر آپ سمجھیں، ورنہ یہ تو میں جانتا ہی ہوں کہ وہابی ہو، شقی القلب ہو، اور اس کے علاوہ اب کیا کہوں کہ کیا کیا ہو!

قبلۂ عالم! مکرمت نامہ پہونچا، لیکن ایسے بُرے وقت کہ میں آپ کے لطف و کرم سے مطلق فائدہ نہیں اٹھا سکتا، فی الحال تو نقل مکان تو ممکن نہیں، لیکن اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کبھی اس قفس سے آزاد ہوا تو سب سے پہلے آپ ہی کے گلشن محبت کی گل چینی کروں گا!

آپ کے مشاغل میں جو لطیف تغیر پیدا ہوا ہے، وہ اگر خدا ساز بات ہے تو قابل رشک ہے، اور اگر آپ کی سعی و جستجو کا نتیجہ ہے، تو باعث صد حیرت و استعجاب!

سچ ہے انسان نہ کبھی مرسکتا ہے نہ بوڑھا ہو سکتا ہے، اگر وہ نہ چاہے، چلئے آپ تو غیر فانی ہو کر خضر و الیاس کی صف میں شامل ہو گئے، میرا کیا ہے ——— رہا رہا نہ رہا!

آپ کے دوست یہاں آئے، چند دن قیام بھی کیا، لیکن ختم خواجگان اور دلائل الخیرات نے انھیں فرصت ہی نہ دی کہ وہ مجھ سے مخاطب ہو سکتے، انسان کا اتنا نیک ہونا بھی کتنا بڑا عذاب ہے

سوچتا ہوں کہ اگر کبھی فرشتوں کا سامنا ہو گیا تو کیا ہوگا۔ آپ کہیں گے کہ جہنم میں فرشتے کہاں۔ یہ بالکل سچ ہے، اور اسی لئے تو میں مرنے سے گھبراتا نہیں!

ہائیں، یہ آپ ہیں ——! کیونکر یقین کر لوں، اور یقین کر لوں بھی تو جیوں کیسے ——!

رنگ ہو کر اڑ گیا جو خون کہ دامن میں نہیں

میں نے اس دوران میں سبھی سے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں، لیکن کسی نے کچھ نہ لکھا۔ یہ کیا خبر تھی کہ آپ وہاں ہیں، جہاں سے میں بیسیوں مرتبہ گذر چکا ہوں، اور سیکڑوں ہی بار پہونچ سکتا تھا، اگر مجھے آپ کے ہونے کا علم ہوتا —— اُف ——

یار چندیں قریب و من تنہا ——!

بہر حال اب خط و کتابت سے کام نہ چلے گا، یہ بتائیے کہ آپ کب آ رہے ہیں، اور اگر نہیں آسکتے تو میری پذیرائی کے لئے آپ تیار رہیئے۔ میں ۱۵ نومبر کو بمبئی جا رہا ہوں، اور اسی دن شام کو جھانسی اسٹیشن پر میری نگاہ —— سب سے پہلے آپ کے رخِ زیبا پڑنا چاہیئے! سُنا آپ نے، آپ تو شاید مجھے نہ پہچان سکیں گے، لیکن میری نگاہِ شوق آپ کو بھرے مجمع میں بھی ڈھونڈھ لے گی!

میرے عزیز دوست! دلپرسی کا شکریہ، لیکن میں اتنا حزین وملول نہیں، جتنا آپ سمجھتے ہیں،

یوسفے ہست دریں گوشۂ زنداں مارا

یہ درست ہے کہ دنیا میں بے نیازانہ زیست کرنا بڑی نعمت ہے۔ لیکن شاید اتنی بڑی کہ خدا ہو جانے پر بھی میسر نہیں آ سکتی — آپ کو کیا خبر کہ علایق زندگی سے کٹ کر غاروں میں زندگی بسر کرنے والے کتنے دلگیر ہوتے ہیں!

انسان جب، خود اپنی ذات کو انجمن میں تبدیل کر لیتا ہے، تو اس کا ذوق تماشہ ایک مستقل خلش بنکر رہ جاتا ہے، اگر وہ کیفیت اس میں پیدا نہ ہو جسے بیدل

سازِ ما سوخت از ترانۂ ما

کہتا ہے — تو پھر اس جہنم محرومی سے مفر کی کوئی صورت نہیں!

علاوہ اس کے چند دن کے لئے اگر آپ کی فردوسی فضا میسر بھی آجائے تو کیا نتیجہ، آخر کار پھر وہی جہنم ہے، اور وہی اسکا التہاب عذاب!

اپنے خط کے جواب میں، سعدی کا ایک شعر سن لیجئے!

ہیچ کس بے دامنِ ترنیست، اما دیگراں

بازمی پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

"اگر گناہ و معصیت کا تعلق خدا سے ہوتا تو بھی غنیمت تھا، لیکن قہر تو یہی ہے کہ وہ زہد و رندی دونوں سے بے نیاز ہے اور مکر و ریا سے کام لیکر اگر ہم اسے چھپانا بھی چاہیں تو پاداش سے نجات ممکن نہیں!

ہو سکتا ہے کہ میرا دفتر معصیت زیادہ سیاہ ہو، لیکن میں اسے غلط کہکر اس کی سیاہی میں زیادہ اضافہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ جو کچھ میرے دل میں ہے وہی کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں، اور بقول شخصے "بہ بانگِ کوس می خورم" لیکن جو کہنا وہ نہ کرنا، یا جو کرنا اسے نہ کہنا، اسے آپ کیا کہیں گے۔ غالباً فہم و فراست۔ درست ہے، لیکن میں پھر وہی سعدی کا شعر پڑھوں گا کہ

ہیچ کس بے دامنِ تر نیست، اما دیگراں
یا زمی پوشند ما در آفتاب افگندہ ایم

خدا کی سنوار! آپ کی اس احتیاط پر۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ ایک ایک لمحہ اس غریب کا کس عذاب میں بسر ہو رہا ہے، مایوسی کے بعد امید کی جھلک اور پھر اس کی تکمیل میں اتنا انتظار ــــ! موت بھی شاید اتنی تکلیف دہ نہ ہوگی!

آپ اس فکر میں ہیں کہ پہلے الزام سے دور کرنے کی تدبیر کر لی جائے، اور اپنا دامن بچا لیا جائے، حالانکہ بے گناہ کو بے گناہ کہنے میں

فکر و تردد ہی کیا۔ اس تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے، اور اسی چیز
کی آپ میں کمی ہے!

بہر حال، میں اس خط کے جواب کا انتظار کئے بغیر اسے
آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، تاکہ آپ کے ایفائے عہد تک اگر یہ زندہ
نہ بچ سکے تو اس کی تجہیز و تکفین بھی آپ ہی کے ذمہ ہو!

نیاز نوازی کا شکریہ ——— مکتوبِ گرامی کا جواب کافی تفصیل
چاہتا ہے اور شاید حضوری بھی، سو ان میں ایک چیز مجھ سے متعلق ہے
اور دوسری آپ سے!

آپ کا بیدل سے لگاؤ بڑی مسرت آمیز حیرت کی بات ہے۔
مسرت تو اس لئے کہ آپ میری ہم مشرب نکلیں، اور حیرت اس لئے کہ
آج کل مردوں میں بھی کوئی شناسائے بیدل نظر نہیں آتا چہ جائیکہ نسائی
طبقہ کے کسی فرد کی طرف سے اس ذوق کا اظہار —!

(۱) دل کو آئینہ تمثال کہنا بیدل کی بڑی محبوب تعبیر ہے، اور چونکہ آئینہ کا
کوئی نقش مستقل نہیں ہوتا، اس لئے وہ اسے "وحشت پیوند" کہتا ہے۔ شعر[1] کا

---

[1] بیدل کا شعر یہ ہے:-

بدل نقشے نمی بندد کہ با وحشت نہ پیوندد!
نمی دانم کدامیں بیوفا آئینہ چید اینجا!

مفہوم یہ ہے کہ میرے دل میں جو نقش ابھرتا ہے، وہ آخر کار وحشت انجام ہی نظر آتا ہے، اس لئے حیران ہوں کہ وہ کون بے وفا ہے جس نے میرے دل کو آئینہ تمثال بنا کر اس عذاب میں مبتلا کر دیا، مدعا یہ کہ دل میں اب سوائے جلوۂ دوست کے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، اور اس کے علاوہ جو خیال پیدا ہوتا ہے، وہ باعث وحشت ثابت ہوتا ہے "بے وفا" یہاں پیار کے لب و لہجہ میں استعمال کیا گیا ہے!

(۲) یقیناً تسبیح و زنار کی نزاع بڑی فرسودہ و بے کیف چیز ہے لیکن آپ اس کا خیال ہی کیوں دل میں لائیں، دنیا میں اصل چیز "متاع محبت" ہے اور اگر وہ دیر و حرم میں میسر نہیں آتی تو پھر اُسی کو مرکز خیال بنائے جہاں یہ دستیاب ہو، اور یہی وہ منزل ہے جہاں مجاز بھی حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے!

(۳) عقل و ہوش کے صحیح معیار کا پتہ ہمکو زیادہ تر "اجتماعیات" میں چلتا ہے، ورنہ انفرادی حیثیت سے تو عقل و ہوش صرف خود غرضی کا دوسرا نام ہے، اللہ اور بُت کا فرق خدا اور خداوند کا سا فرق ہے، اس لئے پوجنے کے لئے تو بُت ہی موزوں ہے — ہاں، اگر خود اپنی پرستش کا خیال دل میں پیدا ہوا تو پھر اپنی جستجو کیجئے اور یہی ہے غالباً خدا کی جستجو!

(۴) غالب کے اُردو، فارسی کلام سے صرف دو شعروں کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ پسندیدگی دراصل ایک کیفیت ہے جو موقعہ و محل کے

لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔

(۵) حقیقی شاعری نام ہے حقیقتوں کے احساس و اظہار کا ایسی زبان اور ایسے لب و لہجہ میں کہ ان حقیقتوں کے سمجھنے کے لئے ہم کو زبان یا لب و لہجہ کے سمجھنے کی ضرورت پیدا نہ ہو!

گرامی عزیز! آپ کی تحریر کا جواب کافی تفصیل چاہتا ہے، اس لئے میں اس کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھتا ہوں، جب بھوپال آؤں، اور وہاں کی موجودہ اجتماعی احساس کی آزاد فضا میں اُس زمانہ کو یاد کرکے آنسو بہاؤں جو باوجود اس کے کہ قید و بند کی حالت میں بسر ہوا، مگر مجھے بہت محبوب تھا، اور شاید ہمیشہ رہے گا!

آپ کو معلوم نہیں۔ سرزمین بھوپال میں بعض ایسی ہستیاں آسودہ ہیں جن کی محبت نہیں، بلکہ پرستش میرا ایمان تھا، اور میں جہاں کہیں بھی رہوں، یہ احساس کبھی میرے دل سے محو نہیں ہوسکتا کہ بھوپال "میرا کعبۂ محبت و ایقان" ہے

اے گردِ راہِ تو بہ جہاں نو بہارِ من

یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ آپ کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ میں بھوپال کے حالات سے بےخبر نہیں رہ سکتا تھا، اور اس لئے میں جانتا ہوں کہ وہاں کی فضا کس طرح آہستہ آہستہ سازگار ہوتی جا رہی ہے

اور وہاں کے نوجوان طبقہ کے بعض افراد میں موجودہ ماحول سے فایدہ اٹھانے کی کتنی زبردست صلاحیت پائی جاتی ہے، ان میں بزمی کے علاوہ بعض اور افراد بھی میری نگاہ میں تھے اور ہیں، لیکن احمد علیخاں کا علم مجھے بالکل نہ تھا، اور "کوکب جمیل" کے طلوع ہونے کا حال بھی مجھے اجرا ترجمان کے بعد ہی معلوم ہوا، اپنی اس بیخبری پر مجھے افسوس ہے، میں ترجمان کا پہلا پرچہ دیکھتے ہی چونک پڑا۔ اس لیے نہیں کہ وہ بھوپال سے تعلق رکھتا ہے، بلکہ محض اس لئے کہ میں نے اس کے اندر ایک چنگاری پائی، ایک گرمی محسوس کی، اور اسی کے ساتھ وہ سلیقہ بھی جو ہر ولولہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ مجھے مطلق علم نہیں کہ کاروباری نقطۂ نظر سے اس کی کیا حالت ہے، اور اس کا مالی مستقبل قابلِ اطمینان ہے، یا نہیں، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ خلوص سے کام کرنے والوں اور صبر و استقلال کے ساتھ ایک جگہ قدم گاڑ دینے والوں کو کبھی ناکامی نہیں ہوتی، اور آپ لوگوں کے عزائم کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ترجمان کی بنیاد ایک مضبوط چٹان پر قایم ہوئی ہے، اور آج نہیں تو کل ضرور اس کو ایک غیر متزلزل تعمیر کی حیثیت اختیار کرنا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھیے کہ آپ بھوپال ہی نہیں، بلکہ مادرِ ہند کے بھی فرزند ہیں اور اس لئے آپ کے لائحۂ عمل اور آپ کے تخاطب کو زیادہ وسیع ہونا چاہیے ——— وطنی حیثیت

سے بھوپال کی خدمت یقیناً آپ کا اہم ترین مقصد ہونا چاہیے، لیکن جو
زمانہ آرہا ہے وہ بھوپال اور غیر بھوپال کی تفریق مٹا دینے والا ہے۔
اور اس لئے آپ کو اسی زمانہ کا ساتھ دینے کی تیاریاں کرنا ہے — یہ
میں اس لئے بھی کہتا ہوں کہ اگر ترجمان، بھوپال ہی کا ترجمان رہ کر
مقامی چیز بن گیا، تو آپ کے تو ارعمل میں بھی کچھ دنوں کے بعد افسردگی
پیدا ہو جائے گی، اور بھوپال سے باہر آپ کوئی ہمدرد حلقہ بھی اپنے
لئے پیدا نہ کرسکیں گے۔ کس قدر جی چاہتا ہے کہ اس وقت میں آپ
لوگوں کے پاس ہوتا، اور اس سرزمین کی کوئی خدمت انجام دیسکتا،
جس کے مجھ پر گوناگوں احسانات ہیں!

آپ میری یہ تحریر شایع کرسکتے ہیں، جو میرا پیام بھی ہے
اور میری دعائیں بھی!

مجھے پورا احساس ہے کہ آپ کو میرے نہ آنے سے کتنی تکلیف
ہوئی ہوگی! خدا کرے آپ کو میری طرف سے بھی یہی احساس ہو!
میں جس ضرورت سے لاہور آرہا تھا، وہ اب باقی نہیں رہی
لیکن یہ اطمینان کہ آپ کو ہر وقت بلا سکتا ہوں، انتظار کی وہ زندگی
ہے جو ملاقات سے کم پُر لطف نہیں!
مجھے یقیناً ۱۵ ر نومبر تک بمبئی چلا جانا چاہیے تھا، اور میں نے

آپ کو پہلے لکھا ہی تھا، لیکن بعض ناگریز واقعات نے اس سفر کو ناممکن بنا دیا، اور نہیں کہہ سکتا کہ میں اس محال کو کب تک اپنے لئے ممکن بنا سکوں گا!

بہر حال سال کے اختتام سے قبل آپ کو مجھ سے ملنا ہے۔ اور بہت سی وہ باتیں طے کرنا ہیں جو "مشاہدہ" پر عرصہ سے ٹلتی آ رہی ہیں!

نومبر ختم ہو تو بتاؤں کہ دسمبر کیا توقعات لے کر آتا ہے۔ آپ کی شکایت سر آنکھوں پر، لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ میں بمبئی جاتا اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دیتا جبکہ آپ کی معیت پہلے ہی طے پا چکی تھی!

قبلہ! میں اب کہاں جس سے آپ جواب کی توقع رکھتے ہیں۔ غم کی عظمت کا پتہ اب چلا ہے جب نہ اس کی لذت کی تاب باقی رہی نہ تکلیف سے تڑپنے کی سکت!

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

غالب کا یہ شعر بارہا نگاہ سے گزرا، لیکن جو تلخی اس میں پنہاں ہے، اس کی حقیقت اب ظاہر ہوئی، معاذ اللہ

می سوزم و از سوختنِ خود خبرم نیست

حزیں نے ایک بار اپنے انتہائی درد و کرب کا اظہار یوں کیا تھا'

دلِ بیمار خود را بر گدایاں بستہ اندازم

لیکن یہاں تو بالش و بستر کا خیال بھی تکلیف دہ ہے، آرام و سکون کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ آپ نے جو صورتیں اندمالِ جراحت کی تحریر فرمائی ہیں، وہ سب درست، لیکن شاید آپ کو اس کا علم نہیں کہ:

ایں سینہ ہمہ بہ دوختن رفت

آپ کب تک تسلیوں کے فریب میں مبتلا رکھیں گے اور میں کب تک دنیا سے چھپ کر آنسو بہاتا رہوں گا — آہ!

اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

اور وہ آفتاب اب طلوع ہونے والا نہیں!

معاف فرمائیے، گرامی نامہ کے جواب میں بہت تاخیر ہوئی — میں تو ہمیشہ اس زمانہ کو یاد کروں گا، جب ہمارے نیچے "جورِ استاد" سہتے تھے، اور پڑھیں یا نہ پڑھیں، لیکن اخلاق ان کے ضرور سدھر جاتے تھے، اب کہ استاتذہ خود "جورِ تلانذہ" سے ہر وقت خائف رہتے ہیں جو حال ہے، وہ یونیورسٹیوں کے احاطوں میں جا کر دیکھئے!

انگریزی تعلیم بجائے خود بری نہیں، لیکن جس مقصد کے لئے

جن حالات میں اسے حاصل کیا جاتا ہے، وہ یقیناً افسوس ناک ہے
آپ اگر میری رائے مانیں تو آپ بچہ کی تعلیم اسی نہج پر کرائے جو
آپ کے لئے اختیار کیا گیا تھا، فارسی، عربی دونوں کی اگر تکمیل نہ
ہوسکے، تو کم از کم اتنا وقوف ضرور ہونا چاہیے کہ زبانوں کے الفاظ
کا صحیح مصرف سمجھ سکے، ورنہ اپنی زبان بھی اچھی طرح نہ آئے گی
آپ نے دیکھا ہوگا، آج کل مشہور شعرا بھی فارسی، عربی کی عدم واقفیت
کی وجہ سے تراکیب اور اسکے محل استعمال میں کیسی کیسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔
تیرہ چودہ سال کی عمر تک یہ تعلیم ختم ہو جائے گی، اس کے بعد
آپ انگریزی پڑھا سکتے ہیں، لیکن اسکولوں اور کالجوں کی نہیں، بلکہ
ادیبوں اور عالموں کی، یعنی مقصود امتحان پاس کرنا نہیں، بلکہ دانشی
زبان اور اس کے نکات پر عبور کرنا ہو۔ اور پھر ایک انگریزی ہی
پر کیا موقوف ہے، مغرب کی اور زبانوں کو بھی آپ لے سکتے ہیں۔
بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ سنسکرت کیوں نہ سیکھے۔ آپ کو اس سے
نوکری تو کرانا نہیں، اور اگر مقصود بھی ہو، تو اب زمانہ بہت بدل گیا ہے
اور چند سال بعد محض انگریزی دانی کو کوئی نہ پوچھے گا!
اس سلسلہ میں ایک سوال یہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ
زندگی کس مشغلہ میں بسر کرنا ہے، ومانیتاً جو ذہنیت اس میں منتقل
ہوئی ہوگی، اس کے پیش نظر تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کی طرح

اس کو بھی اچھا تاجر بنا چاہیے، اور چونکہ اس کی تعلیم کے لیے خود آپ اور آپ کا موجودہ کاروبار کافی ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے تجارت کے نکات سے بھی آگاہ کرتے رہیے، اور جب اس میں کچھ سمجھ پیدا ہو جائے تو دہلی کی شاخ میں اسے کچھ اختیارات دے کر بھیج دیجئے! یہ ہے میری رائے آپ کے بچے کی تعلیم و تربیت کے متعلق، لیکن اگر آپ اس کے بعد بھی اسکول و کالج ہی کی تعلیم مناسب سمجھتے ہیں، تو پھر اسے ہندوستان سے باہر بھیج دیجئے! اگر وہ مشرق کا نہیں بنتا تو مغرب ہی کا بنے!

گرامی عزیز! یہ معلوم کر کے کہ آپ عہد مغلیہ کی فارسی شاعری پر مقالہ مرتب کر رہے ہیں، کیا کہوں، کتنی مسرت ہوئی، میں اس باب میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لیے آمادہ ہوں، گو آپ کو اس کی ضرورت نہیں، عرفی اور نظیری یقیناً بہت زیادہ قابل توجہ ہیں، آپ مجھ سے ان کے چند ایسے بہترین اشعار چاہتے ہیں جن سے ان دونوں کا رنگ شاعری ظاہر ہو سکے، یہ بڑا مشکل کام ہے، لیکن ایک چیز عرفی کے یہاں زیادہ نمایاں ہے، "جوش بیان" اور اسی کے ساتھ استدلال کی شاعرانہ قوت۔ جذبات دونوں کے یہاں ہیں۔ لیکن عرفی کے یہاں تلخی اور گہرائی زیادہ ہے، اور نظیری کے یہاں سادگی، فتادگی اور

معاملہ بندی۔ انداز بیان میں تیکھا پن، دونوں میں پایا جاتا ہے۔
لیکن عرفی کا تیکھا پن ذرا پیچیدگی لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور نظیری کا
شوخی سے آگے نہیں بڑھتا۔ ذکر آ گیا ہے تو کچھ مثالیں بھی پیش کر دوں۔
عرفی کے بعض مشہور اشعار جن سے اس کے جوش بیان اور قوت
استدلال کا پتہ چلتا ہے ——————
ملاحظہ ہوں ——————

عشق اگر مرد ست، مردے تاب دیدار آورد   ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد
عارف ہم از اسلام خراب ست وہم از کفر   پروانہ چراغ حرم و دیر نداند!
گماں مبر کہ تو چوں بگذری جہاں بگذشت   ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست
حد گنہ تو بہ اندراک نشاید دانست   ایں سخن نیز بہ اندازۂ ادراک من ست
بر دو پیالۂ خونیں بنحر زقصا باں!   شوگیدائے شبانان کہ شیر می دوشند

پہلے اور آخری شعر کو آپ اسی جوش کے ساتھ پڑھئے، جس
جوش کے ساتھ عرفی نے انھیں کہا ہے تو آپ یقیناً ان میں تغزل کی
کیفیت بالکل محسوس نہ کریں گے، بلکہ اس کو خطیبانہ شاعری جگہ دینگے۔
جو نظیری کے یہاں بالکل نہیں پائی جاتی۔ چوتھے شعر میں جوش نہیں ہے
بلکہ محض ندرت بیان ہے، اور تغزل سے دور، لیکن نظیری جب اس
قسم کے ندرت بیان سے کام لیتا ہے تو اس کا رنگ تغزل اور زیادہ
لطیف ہو جاتا ہے۔ مثلاً:۔

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست
ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندِ دگر !

"ہم بجانِ تو" کہہ کر کس خوبی کے ساتھ اس نے "یادم نیست سوگندِ دگر" کا ثبوت پیش کیا ہے، اور کتنی ربودگی و فنا دگی سے اس نے کام لیا ہے۔

عرفی کے دوسرے اور تیسرے شعر میں یقیناً غزل کی سادگی و بیساختگی پائی جاتی ہے، لیکن عاشقانہ جذبات سے معرا ہے، برخلاف اس کے نظیری کا ایک شعر سنئے جو عرفی کے دوسرے شعر کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے :۔

دو نیم گشتہ دل از کفر و دیں، نمی دانم !
کزیں دو پارہ دل آید ترا بکار کدام !

کس درجہ لبریز جذبات ہے !

اس کے معنے یہ نہیں ہیں کہ عرفی کے یہاں عاشقانہ جذبات کی کمی ہے، لیکن ان کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں جذبات کے ساتھ جوش بھی ملا ہوا ہے۔ مثلاً

بیا اے عشق رسوائے جہانم کن کہ یک چندے
نصیحتہائے بیہودہ اں شنیدن آرزو دارم
نخوردم زخم وراں کوچہ کہ مرہم باشد
نشوم کشتہ دراں شہر کہ ماتم باشد

تہنیت جز بہ مصیبت در طریق ما ست ننگ
عید را در شہر ما رسم مبارکباد نیست
ہرگاہ گفتہ ایم کہ عرفیؔ اسیر کیست
آہ از نہادِ گبر و مسلماں بر آمدہ

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، عرفیؔ کے جذباتِ عشق میں تلخی زیادہ ہے، اور اس کا ثبوت مذکورہ بالا شعر سے ملسکتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں سادگی، فتادگی اور برشتگی بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے اور عرفیؔ کا یہی وہ رنگ ہے، جس میں اس کے اور نظیریؔ کے درمیان امتیاز مشکل ہو جاتا ہے، مثلاً:

خوش آں ساعت کہ می رفتی و طاقت می رمید از من
تغافل از تو می بارید و حسرت می چکید از من

امروز نگاہ من و عرفیؔ بہم افتاد — باہم نگرستیم، و گرستیم و گزشتیم
تمام بود بیک حرف گرم و ما غافل — حکایتے کہ ہمہ ناتمام می گفتند
گر کام دل بہ گریہ میسر شود ز دوست — صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

اب چند اشعار نظیریؔ کے بھی اسی رنگ میں ملاحظہ ہوں:

از یک حدیث لطف کہ آں ہم دروغ بود — امشب ز دفتر گلہ صد باب شستہ ایم
تو مپندار کہ ایں قصہ ز خود می گویم — گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست
تا منفعل ز رنجش بیجا نہ بینمش — می آرم اعتراف گناہ نبودہ را

دلِ شکستہ دراں کوئے می کنند درست چناں کہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست

اگر آپ غور کریں گے تو باوجود تغزل کی یکرنگی کے دونوں کے کلام میں فرق نظر آئے گا، اور وہ غالباً وہی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ کہ عرفی کے یہاں تلخی جذبات زیادہ ہے، اور نظیری کے تغزل میں روانی و سادگی کی فراوانی ہے۔

عرفی کے کلام میں چونکہ شکوہ الفاظ بھی زیادہ پایا جاتا ہے جو پُرجوش طریق اظہار کے لئے ضروری ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عرفی قصاید میں جتنا کامیاب نظر آتا ہے، تغزل میں نہیں، اور نظیری صرف غزل کا شاعر تھا، اور تغزل کی تمام خصوصیات انتہائی خوبی کے ساتھ اس کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن میری یہ رائے ایسی نہیں جس پر اعتماد کر کے آپ اپنی تحقیق و جستجو کا مرکز بدل دیں، ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں، اور آپ زیادہ عمیق تحقیق کے بعد کسی اور نتیجہ پر پہونچیں۔!

معاف فرمائیے! مجھے ایسے لطف و کرم کی ضرورت نہیں، آپ نے کبھی اندمال زخم کی کیا تدبیر اختیار کی!

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغ جگر ہدیہ!

گو میں صرف ان کا دوشناس ہوں، لیکن شاید آپ سے زیادہ حقیقت شناس، تو یہ کیجئے، کہاں وہ آستاں بلند اور کہاں یہ گدائے مستمند۔ فقیروں کی اتنی

توہین نہ کیجئے!

میں یونہی دیوانہ تھا، اب آپ نے عقل و ہوش کی باتیں کرکے اور زیادہ دیوانہ بنا دیا!

داشتم زیں پیش باخود اندکے دیوانگی!
عقل ناداں نسبتی دیوانہ تر کردہ مرا!

میں جانتا ہوں کہ ان کی جدائی وہ بلا ہے کہ پانی سے بھی دھواں اٹھنے لگے، لیکن اس کا کیا یقین کہ

وصلش از شعلہ می چاند آب

اچھا، نسبتی کا ایک شعر اور سن لیجئے اور اس قصہ کو ختم کیجئے!

در وصل عیش می کشد و در فراق غم
مانند شعلہ حسنِ ترا پشت و رو یکے ست

قبلۂ عالم و عالمیان!

دنیا آپ کی بزرگی کی قایل ہو یا نہ ہو، لیکن میں تو اسی وقت قایل ہو گیا تھا، جب سب سے پہلے آپ نے مجھے کافر کہکر، میرے ایمان کو غیر معمولی تقویت بخشی تھی۔

ہنوز در نظرم چشم نیم خوابے ہست!

پھر اب اس کے اعادہ و تکرار سے کیا فائدہ۔ میں ایک ایسا بیمار ہوں،

جس کا علاج ممکن نہیں اور ہو بھی تو مجھے منظور نہیں۔ پھر جب مرض اور بدقسمتی دونوں ملجائیں، تو آپ یا کوئی اور کیا کر سکتا ہے

الٰہ دیس ، باقی ہوس

مکرمی! آپ لوگوں کے کہنے میں نہ آئیے اور خود غور کر کے کوئی فیصلہ فرمائیے! نہ قدیم شاعری میں تمام باتیں خراب تھیں، نہ جدید شاعری میں تمام باتیں اچھی ہیں! حیرت ہے، آپ کو ابہام تو پسند ہے۔ لیکن ایہام ناپسند۔

ایہام بھی دراصل وہی چیز ہے، جسے آپ حضرات "اشاریت" کہتے ہیں۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ "ابہام و اشاریت" کی انتہا اہمال ہے اور ایہام کی "تکلف و تصنع" ــ!

جذبات الفاظ ہی سے ظاہر ہوتے ہیں اور الفاظ ہی سے شعریت ہے۔ اس لئے ان کی اہمیت سے انکار نہ کیجئے۔ رہی داخلی و خارجی کیفیت سو آپ دیکھیں گے کہ الفاظ کے الٹ پھیر اور ایہام سے بھی بڑے بڑے پاکیزہ اشعار پیدا ہوئے ہیں۔ نہ صرف اردو میں بلکہ فارسی میں بھی۔

ان کو چھوڑئے جو ایہامی شاعری کرتے یا نہ کرتے، مگر شاعر بھی بن سکتے تھے، ان کو دیکھئے جو شاعر پیدا ہوئے تھے، اور پھر ان کے خارجی رنگ پر غور کیجئے کہ اس میں کتنی داخلیت پنہاں تھی! کمال اسمٰعیل کا ایک شعر یاد آگیا۔ سنئے:

بود ہمیشہ جانِ من از ستم تو بیگنہ کشی !
ہیچ نمی کشی مرا من چہ گناہ کردہ ام !

شاعر اس میں شک نہیں صرف لفظ گناہ سے کھیلا ہے، لیکن کس حسن معنویت کے ساتھ، آپ ہی انصاف کیجیے، اگر شعر کا آخر ی ٹکڑا " من چہ گناہ کردہ ام " نکال دیجئے تو پورا شعر بیکار ہو جاتا ہے۔
الفاظ سے غالب بھی کھیلا ہے۔ لیکن کس انداز سے ملاحظہ ہو :-

شنیدہ ام کہ نہ بینی و نا امید نیم ... نہ دیدنِ تو شنیدم، شنیدم بنگر

خسرو کا مشہور شعر ہے :

می روی و گریہ می آید مرا ... ساعتے بنشیں کہ باراں بگزرد

عرفی کا شعر ہے :-

حدِ کُنہ تو بہ ادراک نشاید دانست ... ایں سخن نیز بہ اندازۂ ادراک من است

صرف ایک لفظ ادراک پر شعر کی بنیاد قایم ہے، لیکن کس قدر عمیق معنویت کے ساتھ۔ !

غالب کہتا ہے :-

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں ... دراز دستی قاتل کے امتحاں کیلئے

شعر کی بنیاد محض دراز دستی پر قایم ہے، اور یکسر ایہام، لیکن غالب کے بہترین اشعار میں سے ایک یہ بھی مانا جاتا ہے۔
اگر آپ کی بے مزگی کا خیال نہ ہوتا، تو کچھ اور اشعار پیش کرتا۔

بہر حال میں ایہام کی شاعری کو یقیناً پسند نہیں کرتا، لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جب کسی شعر میں معنویت ہی ایہام سے پیدا ہوتی ہے تو پھر اس کا جواب بھی نہیں ہوتا — لیکن

این آتش نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

بڑا مشکل کام ہے، بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ اور خاص فطری استعداد کی ہے!

بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

ز ما پیام رسانید ہر کجا ہستند!!

آپ کی طرح میں بھی روزنامہ پیام کے عنوان میں اس شعر کو عرصہ سے دیکھ رہا ہوں، اور جو کھٹک آپ کے دل میں ہے، وہی میرے دل میں بھی ہے، لیکن یہ سنکر آپ کی خلش دور ہو جائے گی کہ یہ شعر آذری اسفرائینی کا ہے، اور اس نے دوسرے مصرعہ میں "ز ما سلام رسانید" لکھا ہے۔ مدیر پیام نے یا تو اپنے اخبار پیام کی رعایت سے سلام کو پیام بنا دیا، یا یہ کہ اُن کو یہ شعر ہی غلط پہونچا۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ پیام کا لفظ اس شعر میں کوئی معنے نہیں رکھتا، آپ ان سے بھی دریافت کیجیے، شاید وہ کوئی توجیہ کر سکیں!

قبلۂ مستمنداں! رات اور زلف کا افسانہ تو نہیں، لیکن یہ کہانی طویل ضرور ہے۔ سناؤں گا کسی وقت اگر زمانہ نے فرصت دی لیکن آپ نے جس لطف و کرم سے کام لیا ہے اور اس باب میں جتنی تکلیف اٹھائی ہے اس کا اعتراف تو اسی وقت ضروری ہے۔ گو جذبات کی فراوانی کو دیکھتے ہوئے الفاظ کی کوتاہی مجھے اس سے زیادہ کچھ نہ کہنے دے کہ:

گر غبار آلودہ گشتی باک نیست

اے ہزاراں دیدہ در راہِ تو خاک

اس میں شک نہیں کہ آپ نے جس خلوص و صداقت سے کام لیا ہے وہ اس زمانہ کی چیز ہے جو گزر گیا۔ اور جس کے اب صرف افسانے سننے میں آتے ہیں، لیلیٰ کا دامن اور مجنوں کا ہاتھ۔ یہ تو کوئی عجیب بات نہیں "روئے محمود و خاک پائے ایاز۔"! البتہ حیرت کی چیز ہے۔ زندہ رہئے، خوش رہئے!

لاحول ولا قوۃ! تم بھی عجیب چیز ہو۔ اگر خلوت تک رسائی نہیں تو نہ سہی:

گر بہ معنی نہ رسی جلوۂ صورت چہ کم ست

چونکہ تم مردِ تقدیر ہو، مردِ تدبیر نہیں، اس لئے تم صرف مدعا

کو جانتے ہو، حصولِ مدعا کی راہوں کو نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ تم مومن ہو، اور دنیا کا حسن و جمال تو وہاں مومن ہی کے لئے وقف ہوگا! لیکن یہ تو غور کرو کہ دنیا میں تنہا تم ہی ایک مومن نہیں، مومن کانفرنس ہی کے لاکھوں افراد تمھارے رقیب نکل آئیں گے، اس لئے یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز تم کو پسند ہے وہ کسی اور کو پسند نہ آئے، اور اگر اس تقسیم میں مرضی کو بھی دخل ہوا، تو چلئے چھٹی ہوئی، داڑھی تم منڈاؤ گے نہیں، اور داڑھی والوں میں تمھاری "زنخ پوش" داڑھی کو کون پوچھے گا۔

بے وقوف ہوتے ہو، گھر میں چین سے بیٹھو، نماز کے پابند پہلے ہی سے ہو، رمضان آرہا ہے، اوراد و وظائف اور بڑھا دو، رندی بڑی مشکل چیز ہے، یہاں تو شراب کی جگہ شراب ہی چاہیے۔ یہ نہیں کہ پانی نہ ملا تو تیمم کر لیا۔

اگر تمھاری رسائی وہاں "نظارۂ بعید" کی حد تک بھی ہے تو غنیمت جانو، "خلوتیانِ راز" میں شامل ہونے کی اہلیت نہ تم میں کبھی تھی نہ ہوگی رہی تمھاری مایوسی سو اس کی ایک تاویل بیدل نے بڑی معقول کی ہے۔

گل بہ سرداریم تا دستے بہ سرداریم ما!

اپنا سر کسی اور کا نہیں! یعنی اگر دیوار سے سر ٹکرانے کا حوصلہ نہیں، تو سر پکڑ کر گھر ہی میں بیٹھا رہنا بھی کم فخر کی بات نہیں!

محبت نامہ کا شکریہ ! آپ نے جس انداز سے دل پرسی کی ہے
اس کے جواب میں داستانِ غم سنانے کا موقع ہی کیا ہے۔ سعدی کا
یہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا،

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم !
چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی !

میر نے بھی غالباً سعدی کے اسی شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے :-

یہ کہتے، وہ کہتے، تھا دل میں جو یار آتا !
کہنے کی ہیں سب باتیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا !

یہ نہ شاعری ہے نہ تصنع، بلکہ یکسر اظہارِ حقیقت ہے کہ اگر آپ
ایسے بعض مخلص احباب کا وجود نہ ہوتا، تو میں کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔
بہرحال اس وقت تک تو محض زندہ تھا، لیکن آپ نے پرسشِ حال
کی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اب خوش بھی ہوں۔

اے گردِ راہ تو بہ جہاں نو بہارِ من

بندہ نوازا ! میں جانتا ہوں کہ آپ سب کچھ دے سکتے ہیں
اور وہ کیا ہے جو نہیں دے سکتے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم نہیں کہ
فقیر ہمیشہ فقیر ہی رہتا ہے !

گدا، اگر ہمہ عالم بہ او دہند، گدا ست

اس لئے نہیں کہ خالی دامن کبھی پر نہیں ہو سکتا، بلکہ محض اس لئے کہ "تہی دامنی" بجائے خود بڑی دولت ہے، آپ واقف نہیں" اور خدا نہ کرے کبھی ہوں کہ:

بیفشاں دامن و آزادہ برخیز

کیا چیز ہے، لیکن جن کا مسلک یہ ہے، ان سے رسم و راہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ آپ انھیں کبھی گرویدۂ احسان بنانے کی کوشش نہ کریں۔

جاہ ز علم بے خبر، علم ز جاہ بے نیاز
ہم محک[1] تو زر ندید، ہم زر من محک نہ خواست

کرم گسترا! یقیناً آپ کو میرے "خلوت آرمیدگی" پر رحم آتا ہو گیا، لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ:

یوسفے ہست دریں گوشۂ زنداں مارا

رات دن میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ کسی کی تصویر میرے سامنے نہ رہتی ہو، اور غم کی اس لذت کو میں کسی قیمت پر ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں۔

---

[1] کسوٹی

می سوزم و از سوختن خود خبرم نیست!

نہ میرے دل بہلانے کی کوشش کیجئے اور نہ کسی "خوشدلی" کی یاد دلائیے، اس خیال سے میرا سینہ شق ہونے لگتا ہے۔

خاک ایسی زندگی پر وہ کہیں اور ہم کہیں

اس میں شک نہیں، سلطان الاولیا محبوب الٰہیؒ کا دربار بڑا دربار ہے۔ جب میں دہلی میں تھا تو اکثر وہاں حاضری دیا کرتا تھا، لیکن میرا وقت زیادہ تر میر خسروؒ ہی کے پائیں میں گزرتا تھا، یا پھر وہاں سے ہٹ کر غالب کے مزار پر۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا، اور اس دوران میں صرف ایک شخص ایسا ملا جو مجھ سے زیادہ خسرو کا عاشق تھا۔

جاڑوں کا موسم تھا اور مغرب کا وقت، چراغ ابھی روشن نہ ہوئے تھے، اور لوگ نماز مغرب کی تیاریاں کر رہے تھے حسب معمول رخصت ہوتے وقت جب پھر خسروؒ کے حضور میں حاضر ہوا تو دیکھا ایک خستہ حال نوجوان مزار کے پائیں بیٹھا ہوا ان کی یہ غزل گنگنا رہا ہے۔

غمزۂ تو بر دل سلطاں زند   ورنہ زنجی بر دل درویش ہم

اور روتا جاتا ہے۔ میں بھی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اشک آلود ہو گیا۔ اور منتظر رہا کہ یہ اپنی غزل خوانی و اشک افشانی ختم کرے تو اس سے کچھ باتیں کروں، ایک گھنٹہ کے بعد وہ اپنے تمام آنسو بہا چکا تو میں نے

آگے بڑھ کر اس سے خطاب کرنا چاہا، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا!

جی ہاں! میں جانتا ہوں آئین محبت کیا ہے اور اس سے بھی ناواقف نہیں کہ آپ اس کے بڑے پابند ہیں۔ چنانچہ آپ نے جو کچھ عزیز کے ساتھ کیا وہ اسی آئین کی پابندی تھی، اور جو سلوک میرے ساتھ ہے وہ بھی عین اقتضاء محبت ہے۔ الغرض

بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

آپ نے سعدی کا یہ شعر سنا ہوگا:-

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد

لیکن مجھے تو اس شکایت کا بھی موقعہ نہیں، کیونکہ آپ کی "بزم طرب" کی شرکت ـــــ میرا مقسوم ہی نہیں، پھر بادہ و ساغر پر کیا تہمت رکھوں!

خدا کے لئے ایسی باتیں ان سے نہ کیا کیجئے جو تہیۂ طوفان کئے بیٹھے ہیں، مانا آپ خس و خاشاک نہیں، لیکن سیلاب میں بڑی بڑی سر بفلک عمارتوں کو پابوسِ زمیں ہو جاتے دیکھا ہے۔!

نہ آپ کی عنایتوں کی کوئی حد، نہ میری نارسائیوں کی کوئی انتہا لیکن نہ میں ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں، نہ آپ ان کا کوئی صحیح انداز

کر سکتے ہیں، یہ آپ کا انتہائی خلوص ہے کہ میرے ہر درد دکھ میں شریک
ہونے کے لئے آمادہ ہیں، لیکن اگر میں اسے گوارا کر بھی لوں، تو کوئی دوسرا
اس بار کو کیونکر اٹھا سکے گا اور اسکا یقین کیونکر آئے گا کہ

از خونِ دلم شیشۂ مے زہر بکام ست
بر حوصلۂ جام جم ایں بادہ حرام ست

انسان کی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب تدبیر و مصلحت
عقل و دانائی سب بیکار ہو جاتی ہیں۔ ایک انسان جب سیلاب کا مقابلہ
کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو پھر وہ ڈوب جانا ہی پسند کرتا ہے۔ غالب
نے اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلا ست
قعر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش ست

آپ دیکھتے ہیں آج کل کا ہنگامۂ دار و گیر۔ معاذ اللہ! کیا انسان
سے زیادہ درندہ دنیا میں کوئی اور پیدا ہوا ہے، اب تو اپنے آپ کو انسان
کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ خیال تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد یہاں
مسرت و سکون کا ایک نیا دور شروع ہوگا، لیکن یہاں تو رہی سہی
عافیت بھی ختم ہو گئی!

ز جوشِ گرمیِ بازار من دکانم سوخت

غالب کی فارسی غزلوں میں وہ رنگِ تصوف تو بہت کم ہے۔ جس کی آپ کو جستجو ہے۔ پھر بھی بعض اشعار ایسے ملجاتے ہیں، جو اصطلاحات تصوف سے علاقہ رکھتے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے خود ایک بار اس موضوع کو سامنے رکھ کر غالب کے کلام کا انتخاب کرنا چاہا تھا، لیکن اس کی تکمیل کا موقع نہ ملا۔ اب آپ نے اس کا ذکر کرکے پھر اس خیال کو تازہ کر دیا۔

مجھے اس سے اختلاف ہے کہ غالب کی سب سے پہلی غزل جو اس نے حمد و نعت میں لکھی ہے۔ اسی سلسلہ کی چیز ہے اس کا پہلا شعر ہے

اے بہ خلا و ملا خوئے تو ہنگامہ زا
با ہمہ در گفتگو بے ہمہ در ماجرا

یہ تو بیشک اس رنگ کا شعر ہے جس میں "ہمہ اوست" اور "ہمہ از وست" کا خیال اس نے پیش کیا ہے، لیکن باقی اشعار قصیدہ کے رنگ کے ہیں۔ اسی خیال کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

قطرہ و موج و کف و گرداب، جیحون ست و بس
این من و مائی کرمی بالد حبابے بیش نیست

یہی فلسفہ ایک اور پہلو سے اس نے پیش کیا ہے۔ لیکن کس حسن کے ساتھ

تا ہماں عین خودیم، اما خود از وہم دوئی!
درمیانِ ما و غالب ما و غالب حائل ست

اس رنگ کے اشعار غالب کے یہاں بہت کم ہیں، لیکن اس سے زیادہ لطیف رنگ کا تصوف اس کے یہاں بکثرت پایا جاتا ہے، مثلاً :-

شورے ست نوا ریزی تار نفسم را،
پیدا نئی اے جنبشِ مضراب کجائی!
در ہجوم ظلمت، از بس خویش را گم می کند
قطرہ در دریاست گوئی سایہ در شبہائے من

اس شعر میں غالب نے بالکل نئی بات لکھی ہے۔ قطرہ و دریا کے تعلق کو اکثر شعراء نے ظاہر کیا ہے لیکن تشبیہی صورت سے جس طرح غالب نے پیش کیا ہے، وہ بیدل کے سوا کہیں نہ ملے گا!

آپ نے اگر کوئی انتخاب اس موضوع کو سامنے رکھکر کیا ہے تو بھیجدیجئے۔ دیکھنا چاہتا ہوں!

حضرت! ایک زمانہ کے بعد آپ نے یاد بھی کیا تو کس "ادائے ترکانہ" سے!

اللہ اللہ! —— زورِ دگرست ایں کماں را" ——!

یعنی یوں تو لفظاً ہر خطاب مجھ سے ہے، لیکن در اصل روئے سخن ہے کسی اور کی طرف —— اور "وہ اور" بھی کون ——

"نا مسلمانے کہ غارت می زند بر عقل و ہوش"

بندہ نواز — طاعت و بندگی کے امتحان میں اس قدر استبداد سے کام نہ لیجئے۔ اسی طرح کے سجدہ سے انکار اس وقت بھی ہوا تھا جب آدم کے سامنے سر جھکانے کا سوال پیدا ہوا تھا، اور آئندہ بھی ہمیشہ ہوتا رہے گا! "دعوائے وارستگی" انسان کا فطری حق ہے اور شاید یہیں سے وہ راہ پھوٹتی ہے، جو خداوندی کی منزل تک پہنچتی ہے پھر خدا کا انکار تو آپ کر سکتے ہیں، لیکن خداوندی کا نہیں!

مجھے آج کل فرصت ضرور ہے، لیکن جرأت نہیں اور اگر ہو بھی تو میں ان سے جا کر کیا پوچھوں اور کیا کہوں۔ اُن میں رواداری نہیں، تو آپ ہی صبر سے کام لیجئے۔

اندک اندک عشق درکار آورد بیگانہ را

قبلۂ نیازمنداں!

گرامی نامہ جس کے ایک ایک لفظ سے آپ کی تشویش ظاہر ہے، کل پہنچا۔ میں نے اس واقعہ کو بالکل دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔ ہرچند عمر کی جس منزل سے میں گزر رہا ہوں، اس میں حسرت و یاس کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، لیکن معلوم نہیں کیوں، اس خاص مسئلہ میں، اپنی امیدوں کو ازسرِ نو زندہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، ممکن ہے آئندہ آپ بھی میرے ہمنوا ہو جائیں۔

پاکستان کا عزم مبارک ہو، لیکن جانتا ہوں کہ وطن کی گلیاں آپ کو پھر کھینچ بلائیں گی، اور ہو سکتا ہے کہ آپ جب واپس آئیں تو گھر زیادہ عزیز نظر آئے -!

جناب من !

قیامت ہے، آپ بھی اسی تنگ نظری کا شکار ہیں، جس سے شبلی تک نہ بچ سکے، خیر بیدل کے متعلق تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے یہاں زبان کا لطف نہیں، کیونکہ اسکی شاعری زبان کی تھی ہی نہیں، لیکن نسبتی کا نام سنکر ناک بھوں چڑھانا محض اس بنا پر کہ اسے تھانیسر سے نسبت تھی - بڑا ظلم ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے اس کا کلام دیکھا ہی نہیں، ورنہ آپ ایسا خوش ذوق و خوش فکر انسان نہ کہتا۔

نسبتی کی شاعری، محض تغزل کی شاعری ہے اور نہ صرف جذبات کی بلندی و پاکیزگی بلکہ زبان کی حلاوت اور طرز بیان کی خوبی و ندرت کے لحاظ سے بھی "قدر اول" کی چیز ہے، وہ عشق و محبت کے صحیح و پاکیزہ تاثرات کو ایسے لطیف و بیساختہ انداز سے ظاہر کرتا ہے کہ سعدی اور خسرو دونوں بیک وقت ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ نسبتی کی آواز خود ہمارے دل کے اندر سے نکل رہی ہے

تذکروں میں اس کا نمونۂ کلام دو چار شعروں سے زیادہ نہیں

پایا جاتا، شاید اس لیے کہ اس کا دیوان نایاب ہے لیکن آپ تو ایسا نہ کہیے اس کا پورا دیوان آپ کی نگاہ سے گزر چکا ہے، حیران ہوں کہ آپ نے کس نگاہ سے کس عالم میں اس کا مطالعہ کیا ہے۔

اگر ناگوار نہ ہو تو اس کے چند اشعار میں بھی حاضر کر دوں، ممکن ہے آپ کے نسخہ میں یہ نہ پائے جاتے ہوں۔ زبان کی حلاوت و سادگی اور بیان کی شگفتگی و روانی ملاحظہ ہو:۔

بگزار تا دمے ز شکایت تہی کنم — در سینہ می خلد گلۂ ناتمام ما
اے آنکہ بیغمانہ روی از کنار ما — آگاہ نیستی مگر از انتظار ما

جوش و خروش

گرد از سر کوے یار برخاست — آہے ز دم و غبار برخاست
از خون دلم شیشۂ مے زہر بجام ست — بر حوصلۂ جام جم این بادہ حرام ست
ہجرش از آب می برآرد دود — وصلش از شعلہ می چکاند آب
ما از دل و از کام دل خویش گزشتیم — امروز اجابت نتواں داشت دعا را
اشک ریزاں می روم در وادیِ آوارگی — تا کجا خواہم فشردِ ایں دامن نمناک را

محبت کی تلخکامی

تو اے جاں در نمی آئی، دل از جا در نمی آید
کسے تا چند بر پا وارد ایں آرام و تسکیں را

نے وعدہ، نے امید، تو خود گو جواب چیست

پرسند گر ز ما سببِ انتظارِ ما

چارہ نتواں کرد دردِ کہنہ و دیرینہ را

دست بر دل می نہادم پارہ کردم سینہ را

در دلِ سنگینِ آں بیرحم تاثیرے نہ کرد

نسبتی بر گریۂ خود خندہ می آید مرا

ما نسبتی از بزم طرب بخت نداریم

تہمت بہ غم و بادہ و ساغر نتواں بست

پیوندِ دل از ہمہ بریدیم ! !

دیرے ست کہ خاطرم بجا نیست !

نسبتی یک جرم را صد عذر گفت

گرچہ تقصیرے کہ می باید، نہ داشت!

سپردگیٔ عشق

سرِ من گر بُوَدت ورنہ بود رنجش نیست چہ تواں کرد مرا با تو سرے افتادست

مُردیم و بود در دل حرفے کہ با تو گوئیم در خاک رفت با ما رازِ نہانِ ما

از روز و شبِ نسبتی احوال چہ پرسی ہر صبح گرفتارِ تو، ہر شام اسیرست

محاورہ و زبان

بدنامیٔ تازہ برانگیخت دست گرد طشتے و گرفتادہ ہمانا ز بامِ ما

بزم جم آخر شد و وقتِ صبوحِ ما رسید　　طرحِ دیگر می تواں انداخت دورِ جام را
در ہر کہ بنگرد غلطِ یار می خورد　　چشمِ خطا نظارہ ندانم چہ دیدہ است
گل ہمہ گوش ست لیکن صورتِ بلبل نارسا ست　　نالہا کوتاہ افتادست، جرم گوش نیست
پیوندِ دل از ہمہ بریدیم　　دیرے ست کہ خاطرم بجا نیست
موقوف بہ خنجر دگر شد　　آسائشِ نیم بسملِ ما!
شوخی و حسنِ تقسیم
در نسخہ رنجتی ست یک نام　　عنقا و وفا کیمیا را!
قربان شوم ابروے بتاں را　　زورِ دگر ست ایں کماں را
ورائے عشوہ و ناز و خرام و رعنائی　　دگر ہزار بلا ہمرہ ست بالا را
نمود وعدہ قتلم دو چشمِ او لیکن　　چہ اعتماد تواں کرد قولِ مستاں را

مکرمی!

نقشِ نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب!
پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے!

اس شعر میں پائے طاؤس اور خامۂ مانی کا باہمی ربط جو آپ نے سمجھا ہے، اس سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایسے نقش کے لئے جس میں محبوب آغوشِ رقیب میں دکھایا جائے، بجائے خامہ مانی کے پائے طاؤس کی ضرورت ہے، کیونکہ طاؤس کے پاؤں بہت بدنما

ہوتے ہیں" اور اس کا بالائی حصۂ جسم بہت خوبصورت ہوتا ہے۔

تشبیہ کی حد تک تو آپ کا فرمانا بالکل درست ہے، کیونکہ اگر کسی تصویر میں "محبوب بہ آغوش رقیب" دکھایا جائے تو اس کی مثال بالکل نقش طاؤس کی سی ہوگی، جس کا بالائی حصۂ جسم بہت خوبصورت اور پاؤں کی طرف کا حصہ بہت بدنما ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ غالب کی رائے میں اس نقش کی تیاری کے لئے خامۂ مانی کی جگہ پائے طاؤس ہونا چاہیئے، میرے نزدیک درست نہیں، کیونکہ پائے طاؤس سے تصویر نہیں بنائی جا سکتی۔ میری رائے میں دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے نقش کے لئے خامۂ مانی کو نقش کے نیچے کا حصہ پائے طاؤس ہی کی طرح بدنما بنانا چاہیئے۔!

صدیقی!

جی ہاں، میں نے کلپنا دیکھا، اور دو بار دیکھا، آپ اودے شنکر کے متعلق میری رائے چاہتے ہیں، یا اس کے فن کے متعلق — غالباً فن ہی آپ کے سامنے ہوگا، لیکن شاید رقص وغنا رہی ایک ایسا فن ہے جس سے صاحبِ فن کی شخصیت کو علیحدہ کر کے کوئی رائے قایم نہیں کی جا سکتی، اور اس لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس فن کے اختیار کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہ تھا، کیونکہ اس فن سے ہٹ کر

جس حد تک خد و خال یا قامت و شمایل کا تعلق ہے وہ کچھ نہیں ہے اور
اس لئے اس کا فن بالکل ایسا ہی ہے جیسے مزبلہ پر کوئی پھول پڑا ہو۔

رقص کے باب میں میری رائے عام لوگوں سے ذرا مختلف ہے
وقت تو ضائع ہو گا، لیکن سن لیجئے، رقص و غنا دونوں نہایت قدیم فن
ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ الفاظ کی ایجاد سے پہلے ہی ان دونوں کی بنیاد
پڑ چکی تھی۔ رقص نام ہے محض جسم و اعضاء کی جنبش کا اور غنا کا تعلق ہے
صرف صوتی لحن سے جس کے لئے الفاظ کی ضرورت نہیں۔

انسان عہد وحشت میں بھی جذبات سے خالی نہ تھا۔ اور چونکہ
جذبات کے اظہار میں اعصاب کی جنبش اور جوارح ظاہری کی حرکت
قدرتاً ضروری ہے۔ اس لئے قدیم انسان بھی اپنے جذبات ظاہر کرنے کے
لئے جسم اور ہاتھ پاؤں کی جنبش سے کام لیتا ہو گا۔ جس کی نوعیت
جذبات کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہو گی، یعنی غصہ و ملال، مایوسی
و ناکامی، مسرت و انبساط، ان سب کے لئے جدا جدا حرکات سے اس
نے کام لیا ہو گا، اور وہ حرکات جو خوشی یا جنسی جذبات سے متعلق ہیں
بعد کو رقص کہلانے لگیں۔

ظاہر ہے کہ رقص میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہونگے۔
لیکن رقص کی نوعیت (خصوصیت کے ساتھ جنسی جذبات میں) دونوں
کی ایک دوسرے سے مختلف رہی ہو گی اور ہونا چاہیئے کیونکہ مرد کی

جو ادائیں عورت کو بھاتی ہیں وہ عورت کی ان اداؤں سے مختلف ہوتی
ہیں جنھیں مرد پسند کرتا ہے، اسی لئے وہ رقص جس کا تعلق مردانہ جذبات
سے ہے نسائی رقص سے علیحدہ ہو گیا، کیونکہ اعضا کی جنبش و حرکت سے
نہ عورت مرد بن سکتی ہے نہ مرد عورت، اب اسی کے ساتھ ایک نکتہ اور
بھی قابلِ غور ہے، وہ یہ کہ نہ ہر مرد اس کا اہل ہوتا ہے کہ وہ مردانہ رقص
میں کامیاب ہو اور نہ ہر عورت نسائی رقص کے لئے موزوں ہو سکتی ہے
مردانہ رقص جس کا تعلق زیادہ تر جذبات حماست و شہامت سے ہے اس
کے لئے جسم، اعضا کی ساخت، خد و خال کی نوعیت بھی خاص ہونا چاہیے
اگر ایک دبلا پتلا، پست قد، کمرو اور حقیر مرد، بہادرانہ رقص دکھائے گا تو
کبھی کامیاب نہ ہوگا، اسی طرح ایک بھدّی، بدشکل عورت اپنے رقص
میں وہ لوچ پیدا نہیں کر سکتی جو جنسی جذبات کے اظہار کیلئے ضروری ہے۔

اب ان تمام باتوں کو سامنے رکھکر اُدے شنکر کے رقص پر غور
کیجیے، تو میری طرح آپ کو بھی مایوس ہونا پڑے گا، وہ اپنی صورت و
شکل، قد و قامت، تناسب اعضا کے لحاظ سے کسی طرح اسکا مستحق نہیں
کہ وہ دیوتاؤں کا رقص پیش کر سکے۔ رہا نسائی رقص سو اس میں حسین سے
حسین مرد بھی کامیاب نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ اُدے شنکر۔ اسی لئے میں نے
کہا کہ فنی حیثیت سے ممکن ہے وہ ماہر ہو، لیکن اس کی طرف سے اس فن
کی نمائش ایک ناکامیاب سوانگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی" اور

کلپنا میں بھی اس کا رقص بالکل ایسا ہی تھا، جس سے میں مطلق متاثر نہیں ہوا، تاہم میں نے اس تماشہ کو دو بار دیکھا، لیکن اودے شنکر کے لئے نہیں، بلکہ اوما کے لئے جو صورت و فن دونوں کے صحیح امتزاج کے لحاظ سے یقیناً غیر معمولی چیز ہے۔

اس کا کتابی نقشہ، اس کے خد و خال، اس کا چھریرا جسم، اس کے اعضاء کا تناسب، اس کی رعنائی، اس کی آنکھیں اور ان سب باتوں سے ماورا اس کی دلکش فطری ادائیں، ان چیزوں نے ملکر اس کے رقص کو واقعی اس درجہ سادہ ہی رنگ دیدیا تھا کہ اس کو دو بار دیکھنے کے بعد بھی، ہوس دید پوری نہ ہو سکی۔ یوں تو اس کی ہر ادائے رقص قیامت تھی، لیکن ایک جگہ رقص کرتے کرتے گردن کو موڑ کر نیم وا آنکھوں میں مستی کی خاص کیفیت پیدا کر کے اس نے اپنے ہونٹ کو دانتوں سے دبایا تو ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے دل نکال لیا۔

لب گزیدی و من از ذوق فتادم مدہوش
با تو کیفیتِ ایں بادہ ندانم کہ چہ کرد!

لیکن اس کی خوش ادائی کا ایک معجزہ اس سے بڑھ کر اور بھی میں نے دیکھا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ رقص کا تعلق محض حرکات سے ہے لیکن، اوما نے ایک جگہ بالکل خاموش، بالکل بے حس حرکت رہ کر یہ بھی بتا دیا کہ بعض اوقات سکوت بھی رقص بنجاتا ہے۔ اور یہ اتنا بلیغ و عمیق رقص ہوتا ہے، جیسے نگاہیں

نہیں بلکہ صرف دل دیکھتا ہے، روح دیکھتی ہے۔

اس تماشہ میں بڑا نقص یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ طویل ہے اور پے در پے اتنے کثیر رمزیہ مناظر پیش کئے گئے ہیں کہ ان کو دیکھ کر پوری طرح سمجھنے کا موقعہ نہیں ملتا، اور انسان کا دماغ الجھنے لگتا ہے۔ قصّہ کی ابتدا بھی بہت غیر دلچسپ ہے، اور جن تدریجی مدارج سے اسے عروج تک پہونچایا گیا ہے، وہ بھی کافی اصلاح طلب ہے۔ تاہم فلمی ٹکنک کے لحاظ سے یقیناً بہت کامیاب ہے۔ لیکن پھر بھی کہوں گا کہ اگر اوما اور دوسری چند عورتوں کے رقص کو اس سے خارج کر دیجئے تو کلیتاً بھوتوں اور دیوانوں کے سوانگ سے زیادہ کچھ نہیں رہجاتا!

ناشر :- نگار بک ایجنسی لکھنؤ

پرنٹر :- سرفراز پریس لکھنؤ

قیمت :- چار روپیہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۴۸ء